مارچ 1998ء ذوالقعدہ 1418ھ

اللہ

ماہنامہ اصلاح انسانیت گوجرانوالہ

عالمگیر محبت اور بنی نوع انسان
کی اصلاح و فلاح کا علمبردار

سلسلہ عالیہ توحیدیہ

ماہنامہ اصلاح انسانیت گوجرانوالہ

عالمگیر محبت اور بنی نوع انسان کی اصلاح وفلاح کا علمبردار

مارچ 1998ء ذیقعد 1418ھ

نگران و سرپرست

قبلہ محمد صدیق ڈار توحیدی صاحب

شیخ سلسلہ عالیہ توحیدیہ

قیمت فی شمارہ ـــــــ -/10 روپے

سالانہ فنڈ ـــــــ -/100 روپے

شیخ سلسلہ سے رابطہ کیلئے:

قبلہ محمد صدیق ڈار توحیدی کاشانہ توحیدیہ نوکھر ضلع گوجرانوالہ: Ph: 268424

ایڈیٹر سے رابطہ کیلئے: عبدالقیوم ہاشمی تھانہ روڈ گکھڑ: Ph: 260734

پبلشر عامر رشید انصاری نے اصلاح برقی پریس لوہا بازار سے چھپوا کر مرکز تعمیر ملت جی ٹی روڈ گوجرانوالہ سے شائع کیا

سلسلہ عالیہ توحیدیہ

اس شمارے میں

اداریہ

دین اسلام ایک ایسا دستور زندگی ہے جس پہ عمل کرنے والا خود کو بہت جلد دنیوی اور اخروی نعمتوں سے منور کر سکتا ہے۔ آج انسان سائنس اور تحقیق کے میدان میں بے انتہا کامیابیاں حاصل کر رہا ہے۔ اس سلسلہ میں سائنس کی ترقی نے دین اسلام کی پوشیدہ خوبیوں کو اور بھی بھرپور انداز میں اجاگر کیا ہے۔ جب جدید سائنسی انکشافات پڑھ کر قرآن کریم کی طرف رجوع کیا جاتا ہے تو پورے جسم میں حیرت و تعجب کی لہر دوڑ جاتی ہے اور ساتھ ہی بحیثیت "مسلمان" شرمندگی سے نظریں گریبان کی جانب جھکنے لگتی ہیں۔ وہ علوم و حقائق جنہیں جاننے کا قرآن کریم میں ان گنت تکرار پایا جاتا ہے ہم نے کس بے دردی اور بیقدری سے بھلا ڈالے ہیں۔

مقام افسوس ہے کہ یہ تمام علوم و حقائق ہمیں وہ غیر مسلم پہنچا رہے ہیں جنہیں ہم بقول قبلہ انصاری صاحبؒ "کافر و مشرک کہہ کر خوش ہو لیتے ہیں" جدید سائنس نے قرآن کریم کی حقانیت پہ اب مہر تصدیق ثبت کر دی ہے۔ اب مسلمان صرف اتنا ہی کر لیں کہ غیر مسلموں تک قرآنی پیغام کو پہنچا دیں جو جدید سائنس سے بہت زیادہ مطابقت رکھتا ہے تو یقیناً" وہ غیر مسلم لوگ اسلام قبول کر لیں گے۔ کام صرف یہ ہے کہ ان کے ذہنوں میں اسلام کی فہم داخل کر دی جائے۔ حقیقتاً" اللہ کی نشانیوں پر غور و فکر کرنے کی بدولت ان لوگوں کے دل "مومن" ہیں۔ بقول علامہ اقبالؒ

قلب او مومن دماغش کافر است

(یعنی اس کا دل تو مومن ہے دماغ کافر ہے)

اس ضمن میں ترکی کے سکالر ڈاکٹر ہلوک نور باقی نے بہت اچھی کاوش کی ہے۔ انہوں نے قرآن کریم کی منتخب آیات اور جدید سائنسی حقائق میں حیران کن مطابقت

پیش کی ہے جو پڑھنے اور سمجھنے سے تعلق رکھتی ہے۔ ان تحقیقی مقالات کو " اصلاح انسانیت " کی زینت بنایا جا رہا ہے جو انشاء اللہ سلسلہ وار شائع ہونگے۔

اس کے علاوہ ڈاکٹر محمد عالمگیر خاں صاحب کا ایمان افروز مقالہ " اسلام اور طب جدید " کو بھی شمارہ میں شامل کیا جائے گا۔ اس کے متعلق کیا کہا جائے، بہتر ہے آپ خود مطالعہ کر کے رائے زنی فرمائیں۔

بھارت میں ایک سکالر شمس نوید عثمانی صاحب نے تحقیق کے میدان میں حیران کن معرکہ سرانجام دیا ہے۔ وہ یہ کہ انہوں نے اپنے چند ساتھیوں کی مدد سے ہندوؤں کی مذہبی کتب "ویدوں" سے حضور نبی کریم ﷺ اور اسلام کی صداقت کے بین ثبوت ڈھونڈ نکالے ہیں۔ یہ کتب غیر مروجہ زبان "سنسکرت" میں ہونے کے سبب ہندو پنڈتوں کے سوا سب کی نظروں سے اوجھل تھیں، مولانا عثمانی صاحب اور ان کے ساتھی وہ زبان سیکھ کر ان حقائق کو منظر عام پر لے آئے ہیں جو عرصہ سے ہندو پنڈتوں کی آستینوں میں چھپے ہوئے تھے۔ ویدوں میں خالص توحید کی تعلیم ملتی ہے۔ اب یہ پنڈت حضرات سخت پریشان ہیں کیونکہ ان سے کوئی سوال بن نہیں پڑ رہا۔ مولانا شمس نوید عثمانی صاحب نے اس تحقیقی کام کو " اگر اب بھی نہ جاگے تو....." کے نام سے قلم بند کیا ہے۔ یہ مضمون پندرہ روزہ "ہزارہ ٹائمز" میں سلسلہ وار شائع ہو رہا ہے۔ ہم نے بھی ان کی اجازت سے اپنے شمارے میں اسے شامل کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ مذکورہ بالا تمام تحقیقی مضامین آپ انشاء اللہ ماہ اپریل کے شمارہ سے ملاحظہ فرمائیں گے جو سلسلہ وار جاری رہیں گے۔ ہم آپ کے مفید مشوروں کے منتظر ہیں۔ شکریہ

والسلام

عبدالقیوم ہاشمی

درس قرآن

ڈاکٹر عبدالرشید وقار

وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ۝

(اور اپنے پروردگار کی بڑائی بیان کیجئے) (المدثر)

تفسیر :- یہ ایک فرض اولین ہے جو ہر نبی علیہ السلام کو دنیا کے اندر سب سے پہلے ادا کرنا ہوتا ہے۔ نبی علیہ السلام کو جس معاشرے میں مبعوث کیا جاتا ہے، وہ دنیا کا بدترین معاشرہ ہوتا ہے، وہاں کے افراد عقائد و اخلاق کی بے شمار نجاستوں سے آلودہ ہوتے ہیں اور ان کے اندر سب سے بڑی نجاست یہ ہوتی ہے کہ وہ دنیاوی خداؤں کی بڑائی پر یقین رکھتے ہیں۔ ایسے معاشرہ کے اندر کسی انسان کا تن تنہا کھڑے ہو کر پرچم توحید کو بلند کرنا بڑا کٹھن کام ہے۔ بڑی بڑی ہولناک طاقتیں اس دعوت کو روکنے کے لیے کھڑی ہوتی ہیں۔

یہ پہلا موقع تھا جب آپ ﷺ کو حکم ہوا کہ دنیا کے سامنے بلا خوف و خطر بانگ دہل اعلان فرما دیجئے کہ اس کائنات کے اندر ایک خدا کے سوا اور کسی کی بڑائی نہیں۔ جاہل معاشرہ کے انسان جس کسی کی بڑائی پر یقین رکھتے ہیں ان سب کی نفی کر دو، اس کے ساتھ ساتھ جو بھی مخالفت کرے اس کی پرواہ نہ کرو۔ صاف صاف کہہ دو کہ میرا رب ان سب سے بڑا ہے جو میرے راستے کی رکاوٹ بن سکتے ہیں۔ "اللہ سب سے بڑا ہے" یہ جملہ اللہ کی راہ میں نکلنے والے شخص کے لیے سب سے بڑی ہمت افزائی ہے، کیونکہ جس شخص کے دل پر ایک اللہ کی کبریائی کا نقش گہرا ہو جائے وہ اکیلا ساری خدائی کے مقابل کھڑا ہونے سے ذرا سی بھی ہچکچاہٹ محسوس نہیں کرتا۔ اس کے پائے استقلال میں کبھی بھی جنبش پیدا نہیں ہوتی۔

تاریخ کے اوراق شاہد ہیں کہ محمد ﷺ کو جب اپنے رب کی کبریائی بیان کرنے کا حکم ہوا تو اہل مکہ صدیوں سے شرک کی دلدل میں دھنسے ہوئے تھے۔ مشرکانہ عقائد اور رسم و رواج ان کے قلوب و اذہان میں رچ بس گئے تھے۔ اپنے مقابلے میں دنیا کے دیگر انسانوں

کو عجمی کہہ کر پکارتے تھے۔ کسی کو خاطر میں نہ لاتے تھے۔ مکہ معظمہ کو سب سے بڑے تیرتھ کی حیثیت حاصل تھی اور خود ہی اس کے مجاور تھے۔ عام مذہبی رسومات کے نہ صرف ٹھیکیدار تھے بلکہ یوں سمجھئے کہ مذہب کے جملہ حقوق ان کے نام محفوظ تھے۔ ایسے حالات میں ان کو ایک خدا کی طرف دعوت دینا اور اس کے عذاب سے ڈرانا جان جوکھوں کا کام تھا۔ ان کے دلوں کے اندر، جو پتھریلی زمین سے زیادہ سخت ہو چکے تھے، ایمان کی تخم ریزی کرنا کتنا دشوار مرحلہ تھا، آج کا انسان تصور بھی نہیں کر سکتا۔

انوکھی برتری کے احساس میں مبتلا یہ لوگ ایک خدا کے تصور کو آسانی سے کبقبول کر سکتے تھے، اس وقت جی ہاں اس زمانہ میں آپ ﷺ کو حکم ہوا کہ ایک خدا کے عقیدہ پر نہ صرف خود یقین رکھو بلکہ اس عقیدہ کا برملا اظہار بھی کرو۔ آپ کو دنیا کے کسی بڑے کی ہرگز پرواہ نہ رہے گی۔ ٹھیک ہے یہ لوگ خود کو بڑا سمجھتے ہیں اور دوسروں سے بڑا کہلواتے اور منواتے ہیں۔ لیکن ان کی بڑائی چند دنوں تک چند میلوں کے فاصلہ پر محیط ہے۔

اور آپ کے رب کی کبریائی کا پرچم، بحر و بر، دشت و جبل اور فرش و عرش پر ازل سے ابد تک لہراتا رہے گا۔ آپ کا رب حقیقت میں بڑا ہے اور یہی ایک مرکزی نقطہ ہے جس کے باعث کائنات کا نظام جاری و ساری ہے اور رہے گا۔ آپ ﷺ کو رب العزت نے نبوت و رسالت کے منصب رفیع الشان پر فائز کیا ہے۔ اس منصب جلیلہ کا تقاضا یہی ہے کہ آپ اپنے رب کی بڑائی بیان کریں، یہی وجہ ہے کہ مذہب اسلام کے اندر کلمہ "اللہ اکبر" کو سب سے زیادہ اہمیت دی گئی ہے۔ نماز سے پہلے اذان دی جاتی ہے اور اذان اللہ اکبر سے شروع ہوتی ہے۔ نمازی اپنی نماز کو اللہ اکبر سے شروع کرتا ہے اور ساری نماز کے اندر ایک حالت سے دوسری میں داخل ہونے سے پہلے اسی کلمہ کو دہراتا رہتا ہے۔ جانور کو ذبح کرتے ہوئے بسم اللہ، اللہ اکبر کہہ کر اس کے گوشت کو اپنے لئے حلال کرتا ہے۔ اس کلمہ کے بغیر ذبیحہ حلال نہیں ہوتا۔ یہ کلمہ امت مسلمہ کا امتیازی شعار ہے کیونکہ اس امت کے نبی نے اپنا مشن ایک اللہ کی بڑائی سے شروع کیا تھا۔ مشرکین کے دل آج بھی اسی نعرہ تکبیر سے دہل جاتے ہیں۔

درس حدیث

رانا محمد اعجاز

طلب العلم فریضتہ علی کل مسلم (بخاری)

ترجمہ: علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔

اس حدیث مبارکہ میں حصول علم کی اہمیت کو اجاگر کیا گیا ہے۔ اسلام کے سوا دنیا کا کوئی ایسا مذہب نہیں جس نے تمام انسانوں کی تعلیم کو ایک بنیادی ضرورت قرار دیا ہو۔ اگرچہ بعض مذاہب تعلیم کی حقیقت سے آشنا تھے مگر وہ بھی تمام انسانوں کی تعلیم کے قائل نہ تھے بلکہ اہل علم کے ایک خاص طبقے تک ہی محدود تھے۔

اسلام وہ واحد دین ہے جس نے تمام انسانوں پر تعلیم کو فرض قرار دیا اور اس فرض کی انجام دہی کو معاشرے کی ایک ذمہ داری بنایا۔ رسول کریم ﷺ پر جو پہلی وحی نازل ہوئی وہ علم کے مقام اور اس کی اہمیت پر روشنی ڈالتی ہے۔

اقرا باسم ربک الذی خلق ○

"پڑھ اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا کیا"

رسول کریم ﷺ اکثر اوقات یہ دعا فرماتے تھے

"اے میرے رب میرے علم میں اضافہ فرما"

دنیا میں انسان کی زندگی کا مقصد رضائے الٰہی کا حصول ہے اور تعلیم ہی انسان کو اس قدر سے آگاہ کرتے ہوئے اس کے حصول کے قابل بناتی ہے۔

اسلام کے نزدیک عبادت کا مفہوم نماز، روزہ، حج ہی نہیں بلکہ یہ بہت جامع لفظ ہے۔ اس میں حقوق اللہ، حقوق العباد اور حقوق النفس تینوں کی ادائیگی شامل ہے۔ ان میں سے کسی ایک کی بھی ادائیگی صحیح طرح نہ ہو تو عبادت نامکمل ہو جاتی ہے۔ دین اسلام کے نزدیک حصول علم کا مقصد بھی یہی ہے کہ وہ افراد کو حقوق اللہ، حقوق العباد اور حقوق النفس کی ادائیگی کے لئے تیار کرے تاکہ مسلمان قرب الٰہی حاصل کر سکیں اور دنیا و آخرت میں

کامیابی سے ہمکنار ہو سکیں۔

رسول کریم ﷺ نے مسجد نبوی کے سامنے ایک قطعہ زمین جسے صفہ کہتے ہیں اشاعت تعلیم کے لئے وقف کر دیا تھا. جہاں پر صحابہ کرامؓ قرآن مجید سیکھنے اور سکھانے میں مصروف رہتے تھے۔ جب جنگ بدر میں فتح کے بعد قیدی لائے گئے تو ان میں سے جو فدیہ ادا کر سکتے تھے انہیں فدیہ لے کر چھوڑ دیا گیا اور جو فدیہ ادا نہ کر سکے انہیں رسول کریم ﷺ نے کہا کہ اگر تم دس دس صحابہ کو لکھنا اور پڑھنا سکھا دو گے تو تمہیں چھوڑ دیا جائے گا۔

یہ واقعہ ثابت کرتا ہے کہ رسول کریم ﷺ نے عملی طور پر علم کی روشنی کو پھیلایا اور صحابہ کو زیور تعلیم سے آراستہ ہونے کی تلقین فرمائی۔

علم حاصل کرنے والے سے رسول کریم ﷺ بہت خوش ہوا کرتے تھے۔ ایک دفعہ آپ ﷺ نے مسجد نبوی میں دو حلقے دیکھے۔ ایک حلقے کے لوگ عبادت و اذکار میں مصروف تھے اور دوسرے حلقے میں علمی باتیں ہو رہی تھیں. آپ ﷺ نے علم والے حلقے کو پسند فرمایا۔

تخلیق آدم علیہ السلام کا واقعہ بھی علم کی اہمیت کو واضح کرتا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو اشیاء کے اسماء کا علم عطا فرمایا اور فرشتوں سے استفسار فرمایا تو وہ کچھ نہ بتا سکے جب کہ حضرت آدم علیہ السلام نے اشیاء کے نام بتا دیئے۔ حضرت آدم علیہ السلام کو یہ عظمت اور تقدس صرف علم کی بنا پر حاصل ہوا اور اسی وجہ سے ہی اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو دنیا میں اپنا نائب مقرر فرمایا۔

رسول کریم ﷺ نے علم کے حصول کیلئے ہمیں بار بار تاکید فرمائی ہے. چند مثالیں ملاحظہ کیجئے۔

"علم حاصل کرو خواہ تمہیں اس کے لیے چین جانا پڑے"

"علم کے ذریعے ہی انسان نیکی کے اعلیٰ درجوں تک پہنچتا ہے"

"وہ لوگ جو علم حاصل کرتے ہیں مرتے نہیں"

"عالم کو عابد پر ایسی ہی فضیلت حاصل ہے جیسے چودھویں رات کے چاند کو ستاروں پر"

"جو علم حاصل کرنے کے لئے کوشش کرتا ہے وہ خدا تعالیٰ کی عبادت کرتا ہے"

"علم نیکی اور بدی میں تمیز سکھاتا ہے اور خدا تک پہنچنے کا ذریعہ ہے"

"جو علم کی تلاش میں گھر سے نکلتا ہے وہ خدا تعالیٰ کی راہ میں سفر کرتا ہے"

"اور جو علم اور اہل علم کی قدر کرتا ہے وہ میری قدر کرتا ہے"

"خدا اور اس کے فرشتے اور جو کچھ زمین اور آسمان میں ہے حتیٰ کہ چیونٹی اپنے سوراخ میں اور مچھلی بھی، لوگوں کو بھلائی سکھانے والے پر رحمت بھیجتے ہیں"۔

مذکورہ بالا احادیث علم کی اہمیت واضح کر رہی ہیں اور انسانوں سے اس بات کا تقاضا کرتیں ہیں کہ ہر حال میں علم حاصل کرو اسی میں انسانیت کی بقا اور نجات ہے۔

رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ علم سیکھو وہ حلال اور حرام کی تمیز سکھاتا ہے اور جنت کا ساتھی ہے وہ وحشت میں انس و محبت پیدا کرتا ہے۔ تنہائی کا ساتھی ہے۔ اس کی وجہ سے خدا تعالیٰ قوموں کو عروج عطا کرتا ہے۔

آج ہم جن مسائل اور مشکلات سے دوچار ہیں وہ صرف اور صرف تعلیم کے فقدان کا نتیجہ ہے۔ موجودہ دور میں جن اقوام نے بھی ترقی کی ہے وہ اسی کی بدولت ہے۔ دنیا کا کوئی ملک ایسا نہیں جس نے سیاسی، معاشی اور اقتصادی طور پر ترقی تعلیم کے بغیر حاصل کی ہو۔ علم کی روشنی کو پھیلا کر ہی ہم اپنے معاشرے کو صحیح معنوں میں اسلامی معاشرہ کہہ سکیں گے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اسلام کے نزدیک علم سیکھنے کا مقصد رضائے الہٰی کا حصول ہے۔ علم کے بغیر انسان نہ خدا کو اور نہ اپنے آپ کو پہچان سکتا ہے اور راہ نجات اس کے حصول سے ہی ممکن ہے۔

صدائے فقیر

نفس کی اہمیت

انسانی روح میں پیدائشی طور پر دوسری صلاحیتوں کو اپنے اندر جذب کرنے کی استعداد موجود تھی ۔ روح اپنی خالق کو پہچانتی اور اس سے محبت کرتی تھی ۔ اللہ تعالے انسان کو اس مادی عالم میں اس لئے بھیجتے ہیں کہ جو خصوصی جوہر اسے عطا کر رکھا ہے اس کا اظہار کر کے علم و معرفت کے ذریعے اللہ کی محبت کے اس مقام تک پہنچ سکے کہ خود اللہ کا محبوب بن جائے اس مقصد کے حصول کے لئے اسے عقل، نفس، قلب، آنکھیں، کان، زبان، ہاتھ، پاؤں اور مناسب مادی جسم عطا فرمایا ۔ خلافت ارضی کے عظیم منصب کی ذمہ داری ادا کرنے کے لئے ان سب چیزوں کی انہیں ضرورت تھی ۔ ہمارے ہاں نفس کے بارے میں کافی غلط فہمیاں پائی جاتی ہیں اس لئے اس کی اہمیت اور صلاحیت کے بارے میں وضاحت کرنا نہایت ضروری ہے جیسا کہ گذشتہ باب میں یہ لکھا جا چکا ہے کہ نفس مجرد خواہش کا نام ہے یعنی نفس کی وہ سی ہی انسان کو خواہش کرنے کی اہلیت حاصل ہوئی ۔ نفس خواہشات کا خزانہ اور مرکز ہے روح کے برخلاف اس میں فطری طور پر سرکشی، شرارت اور بغاوت کا جذبہ ہے اور یہ پابندیوں کو آسانی سے قبول نہیں کرتا اس میں لالچ، غصہ، جنسیت اور خود نمائی جیسی جبلتیں موجود ہوتی ہیں اس لئے مادی سے قطعی مختلف ہے لیکن اسے مادی عالم میں کچھ عرصہ کے لئے قیام کرنا تھا ۔ آسانی کی خاطر یوں سمجھ لیں کہ روح نے مادے سے آشنائی پیدا کرنے اور اسے اپنی دسترس میں لانے کی خاطر نفس کے ساتھ دوستی کر لی چونکہ نفس کی دل چسپی مادے کے ساتھ ہے اس لئے اس کی تحریک سے روح میں مادی کائنات کو تسخیر کرنے کی امنگیں اٹھتی رہتی ہیں اگر انسان میں نفس نہ ہوتا تو اس میں کسی قسم کی کوئی خواہش بھی نہ ہوتی اگر کوئی خواہش ہی نہ ہو تو جسم میں حرکت کیوں ہو گی ۔ اور جس جسم میں کوئی حرکت ہی نہ ہو اسے زندہ کیونکر کہا جا سکتا ہے اگر نفس نہ ہوتا تو نہ مادی زندگی

کا اظہار ہوتا نہ ہی تسخیر و تعمیر کا کوئی کام ہوتا اور نہ ہی خلافت ارضی کا مقصد پورا کیا جا سکتا نفس کی خواہشات بے شمار ہیں اور روح کی صلاحیت اور قوت بھی لامحدود ہے نفس نئی نئی چیزوں کی خواہش کرتا رہتا ہے اور انسان کی باطنی صلاحیت اس کے ہر خواب کو حقیقت میں ڈھالنے کے لئے جدوجہد میں لگی رہتی ہے ان دونوں کے اشتراک سے نئی نئی ایجادات اور نئے علوم وجود میں آ رہے ہیں اس طرح انسان تسخیر و ایجاد کا سفر جاری رکھتے ہوئے آگے بڑھتا چلا جا رہا ہے اس سے یہ بات اچھی طرح سمجھ میں آ گئی کہ حیات ارضی کے لئے نفس کا وجود ناگزیر ہے کہ اللہ کی محبت اور اطاعت کے لحاظ سے روح اور نفس کے رجحانات میں صریح تضاد ہے روح اپنے رب کو پہچانتی اس سے محبت کرتی اور اس کے ذکر سے اطمینان اور قوت حاصل کرتی ہے یوں کہہ لیجئے کہ روح فرشتوں کے خصائل کی حامل ہے اس کے برعکس نفس کی سرشت میں بغاوت اور شرارت ہے اس کی محبت اپنے حقیقی مالک کی بجائے مادے اور اس سے متعلقہ حیوانی لذات یعنی کھانے ، پینے ، آرام و راحت اور جنسی خواہشات پر مرکوز ہوتی ہے گویا نفس میں بہیمیت یعنی درندوں اور حیوانوں کی سی عادات ہوتی ہیں اس صورت حال میں انسانی روح کا کمال یہ ہے کہ اپنے اس ساتھی کی خوبیوں سے تو فائدہ اٹھائے لیکن اس کے بہکاوے میں آ کر دنیا کی لذات میں کھو جائے بلکہ نفس پر اثر انداز ہو کر اسے بھی اللہ کی محبت سے آشنا کرے اور اس کی سرکشی چھڑوا کر اطاعت اور بندگی کی راہ پر لگا لے اگر ایسا ہو جائے تو انسان کامیاب ہو جائے گا ورنہ وہ اس آزمائش میں ناکام قرار دیا جائے گا اور سزا کا مستحق ٹھہرے گا انسان کا حقیقی دشمن شیطان بھی اپنے وار نفس کے توسط سے ہی کرتا ہے۔ اگر یہ گھر کا بھیدی اصلاح پذیر ہو کر اللہ کی طرف رجوع کرے تو شیطان کے حملے بھی بیکار ہو جاتے ہیں۔

شیطان اور نفس اللہ کی راہ سے روکنے کا کردار بھی اپنی جگہ بڑی اہمیت کا حامل ہے یہ بات یاد رکھیں کہ قوت ہمیشہ رکاوٹوں اور مخالفتوں کا مقابلہ کرنے کے بعد پیدا ہوتی ہے اگر اللہ تعالٰے کے راہ میں کوئی رکاوٹ نہ ہوتی اور نہ ہی کوئی اپنی ترغیب و تحریص میں

پھنسا کر گمراہ کرنے والا موجود ہوتا تو نیکی پر چلنے میں انسان کا کیا کمال ہوتا۔ سبھی انسان ایک ہی طرح کے ہوتے ۔ نہ کوئی اچھا نہ برا ۔ نہ مومن نہ کافر ۔ نہ موسیٰ علیہ السلام نہ فرعون ۔ نہ ابراہیم نہ نمرود ۔ نہ جنت نہ دوزخ کچھ بھی نہ ہوتا انسان کی فضیلت اور انسانی مرتبہ کا دارومدار شیطان کے مکرو فریب کے جال کو توڑنے اور مادی لذات و شہوات کو ٹھکرا کر اللہ کی محبت اور اطاعت کی راہ پر بڑھتے چلے جانے میں ہے۔ اللہ کی محبت میں نفس کی خواہشات توڑ دینے سے انسان کو بے پناہ روحانی قوت حاصل ہوتی ہے۔ بالکل اسی طرح جیسے اٹیم کے ٹوٹنے سے بہت سی توانائی خارج ہوتی ہے۔ دونوں جہان کی رونقیں حق اور باطل کی طاقتوں کے درمیان حریفانہ کشمکش کی وجہ سے ہیں انسان کی پرکھ ان کی سوچوں کی وجہ سے ہوتی ہے نفس کی خواہشات اچھی بھی ہو سکتی ہیں اللہ تعالے کے قرب و دیدار ۔ حضور نبی کریم ﷺ کی محبت ۔ مخلوق خدا کی خدمت اور اللہ کی راہ میں شہادت کی خواہشات کس قدر نیک اور عظیم ہیں۔ تزکیہ نفس یہی ہے کہ خواہشات کا رخ بدل دیا جائے نہ کہ خواہشات کو سرے سے ختم ہی کر دیا جائے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سورۃ اعراف کی آیت 205 میں جو واذکر ربک فی نفسک کے الفاظ جن کے معنی ہیں "اپنے نفس میں اپنے رب کا ذکر کر" سے یہی مقصود ہے کہ انسان میں بھی اللہ کے قرب کی خواہش بیدار ہو جائے نفس کی طاقت کا صحیح سمت میں لگ جانا ہی راہ سعادت ہے۔ ایک طاقتور نفس کی قوت جس راہ پر چل پڑے اپنے آپ کو منوا لیتے ہے حضور سید الانبیا ﷺ کا ارشاد ہے کہ تم میں سے جو کفر میں سب سے آگے تھے وہ دین میں بھی آگے ہیں ایک ایسا ہی دلیر اور جری شخص جب کفر کی حالت میں تھا تو شیطان کے ہاتھوں میں کھیل رہا تھا ادھر اللہ کے رسول ﷺ کی حقیقت شناس نظر اسی بہادر جوان کو دین کی نصرت کے لئے منتخب کر چکی تھی آپ نے اللہ کے حضور دعا فرمائی کہ اے اللہ عمرؓ کے ذریعے اپنے دین کی مدد فرما۔ یعنی اس سرکش اور تند و تیز طوفان کا رخ اسلام کی خدمت کی طرف پھیر دے۔ اللہ تعالے نے حضور کی دعا قبول فرمائی تو وہی عمرؓ جو مراد رسول تھے الفاروق اور شاہکار رسالت بن گئے ان کی ایمانی قوت کا یہ عالم تھا۔ کہ

آپ کے بارے میں حضور ﷺ نے فرمایا کہ جس راستے سے عمرؓ گذر رہا ہو شیطان وہ راستہ چھوڑ دیتا ہے۔

ذرا غور فرمایئے کہ اللہ تعالےٰ نے جہاں بے شمار چیزیں انسان کی خدمت میں لگا رکھی ہیں وہاں ہوا، حرارت، مقناطیسیت، بجلی اور ایٹمی توانائی بھی پیدا کر رکھی ہیں۔ لیکن ان سب کے استعمال میں بھی بڑے خطرات کا خدشہ ہوتا ہے ان سے کام لینے کے لئے بڑی احتیاط برتنا پڑتی ہے کیونکہ ذرا سی غلطی بھی بہت بڑی تباہی کا باعث بن سکتی ہے۔ مثال کے طور پر بجلی کی قوت پر غور کریں کہ انسان اس سے کیسے کیسے عجیب و غریب کام لے رہا ہے۔ اس کے مہلک خطرات کا علم ہونے کے باوجود خود درخواستیں دے کر اور پلے سے اخراجات ادا کر کے اپنے گھروں میں اس کے کنکشن لگواتے ہیں کیونکہ اس کے فوائد بے شمار ہیں لیکن بجلی کی یہ طاقت فطرت کی دوسری طاقتوں کی طرح بڑی بے رحم اور بے لحاظ ہوتی ہے اور اپنے قوانین کی خلاف ورزی کرنے والے کو کبھی معاف نہیں کرتی۔ نفس بھی ایک توانائی ہے۔ اور اپنے قوامیں کی خلاف ورزی کرنے والے کو کبھی معاف نہیں کرتی۔ نفس بھی ایک توانائی ہے۔ وہ انسان جو اللہ تعالےٰ کی ہدایت کی روشنی میں اس کو سمجھنے یعنی عرفان نفس حاصل کرنے کے بعد اسے استعمال کرے گا وہ اس کی شر سے محفوظ رہ کر اس کی قوت سے فائدہ اٹھا سکے گا۔

اسی طرح شر کی قوتوں کے سالار اور انسان کے حقیقی دشمن یعنی شیطان کے حملوں سے بچنے کے لئے بھی ہدایات موجود ہیں۔ قرآن کریم اور احادیث رسول ﷺ کی تعلیم کے مطابق اللہ کی ذات پر کامل توکل وہ مضبوط زرہ اور کثرت ذکر وہ ناقابل تسخیر قلعہ ہے مومن کو ابلیس اور اس کے لشکروں سے محفوظ رکھتا ہے ایسے مومن اس دشمن سے خوف زدہ نہیں ہوتے بلکہ اللہ کی تائید و نصرت کے بھروسہ پر اس کے لشکروں کے خلاف صف آرا ہو جاتے ہیں شیطان اللہ تعالےٰ کی ایک ادنیٰ سی مخلوق ہے اور وہ ہر وقت اللہ سے خوف زدہ رہتا ہے اس کے ذمے اللہ تعالےٰ نے ہماری راہ میں رکاوٹیں پیدا کرنے اور

سیدھا راستہ سے ہٹانے کا کام لگا رکھا ہے اور وہ اسے پوری تندہی کے ساتھ انجام دے رہا ہے اور ہمیں ان رکاوٹوں کو دور کر کے اپنے قرب کے مقام تک پہنچنے کا حکم دے رکھا ہے۔ اس طرح ابلیس بھی اپنی سرکاری ڈیوٹی میں لگا ہوا ہے اور وہ اس رزم گاہ حیات میں اس کے وجود کی اہمیت بھی مسلمہ ہے دوسرے عارفان حق کی طرح محرم رازدوون میخانہ یعنی حضرت اقبالؒ نے بھی ابلیس کی اہمیت کے اظہار کے لئے بال جبریل میں ایک نظم جبریل و ابلیس کے عنوان سے لکھی ہے۔ اس میں حضرت جبرائیل ابلیس کے طرز عمل پر اظہار افسوس کرتے اور اسے توبہ کرنے کی نصیحت کرتے ہیں۔ ان کے جواب میں ابلیس اپنا موقف بیان کرتے ہوئے کہتا ہے۔

ہے میری جرات سے مشت خاک میں ذوق نمو
میرے فتنے جامہ عقل و خرد کا تار و پو
دیکھتا ہے تو فقط ساحل سے رزم خیر و شر
کون طوفان کے طمانچے کھا رہا ہے میں کہ تو
خضر بھی بے دست و پا الیاس بھی بے دست و پا
میرے طوفان یم بہ یم، دریا بہ دریا، جو بہ جو
گر کبھی خلوت میسر ہو تو پوچھ اللہ سے
قصہ آدم کو رنگین کر گیا کس کا لہو
میں کھٹکتا ہوں دل یزداں میں کانٹے کی طرح
تو فقط ! اللہ ھو، اللہ ھو، اللہ ھو

ملفوظات بانی سلسلہ

مسلمانوں کے اسباب زوال

اسباب زوال ملت جن وجوہات سے ہوئیں ان میں دنیا سے نفرت کرنا بھی شامل تھا اس کے علاوہ ہمارے علمائے دین بھی اس زوال کا سبب بنے۔ حضرت خواجہ عبدالحکیمؒ نے وہ وجوہات اپنی تصنیف "تعمیر ملت" میں اسطرح بیان فرمائی ہے۔

دنیا سے نفرت

مسلمانوں کی تباہی اور زوال کی ایک بڑی وجہ یہ بھی تھی کہ وہ دنیا سے متنفر ہو گئے اور دنیاوی عزت و عظمت اور حصول دولت و ثروت کو برا سمجھنے لگے۔ اب آپ خود ہی سوچیں کہ جب آپ کسی چیز کے حصول کی خواہش اور کوشش ہی نہ کریں گے بلکہ اس کو عیب سمجھیں گے تو وہ چیز خود بخود آپ کو کس طرح حاصل ہو جائے گی؟ بالکل یہی حال مسلمانوں کا ہوا اور وہ اس طرح کہ دوسری اور تیسری صدی ہجری میں جب اسلامی فتوحات ایک طرف چین اور ہندوستان کی سرحدوں تک پہنچ گئیں اور دوسری طرف تمام شمالی افریقہ اور اسپین ان کے قبضہ میں آگیا تو مال و دولت کی وہ بہتات ہوئی کہ غربت کا نام و نشان بھی نہ رہا۔ لیکن جب دولت آئی تو وہ اپنے تمام مصائب بھی ساتھ لائی۔ اب مسلمانوں میں مشقت اور جفاکشی کے بجائے عیش پسندی اور آرام طلبی کی بری عادتیں پیدا ہونے لگیں۔ بادشاہوں نے میدان جنگ میں داد شجاعت دینے کی بجائے محلات میں عیش و عشرت اور عیاشی بلکہ فحاشی کی زندگی اختیار کرلی۔ ملک کا انتظام اور عدالت کا کام وزیروں کے سپرد کیا اور خود نازنینان حرم کی صحبتوں میں شراب ناب اور طاؤس و رباب کی رنگینیوں میں مست و محو ہو کر رہ گئے۔ رفتہ رفتہ ان کی تقلید ان کے وزرا اور امرانے کی اور پھر یہ وبا نہ صرف عمال حکومت بلکہ رعیت کے عوام میں بھی پھیل گئی۔ یاد خدا غائب ہوئی، خوف خدا جاتا رہا اور برائیاں عام ہونے لگیں۔ اس وقت علمائے اسلام اور اولیائے کرام نے ضرورت محسوس کی کہ دنیا کی برائیاں بیان کی جائیں۔ چنانچہ خانقاہوں کے بوریوں اور مسجدوں کے

منبروں سے یہ صدا بلند ہوئی کہ دنیا فانی اور ناپائیدار ہے، ذلیل و خوار ہے، کتیا اور مردار ہے اور اس کا چاہنے والا کتا ہے، کافر ہے، مردود ہے، ملعون ہے، یہ وعظ موقعہ اور حالات کے لحاظ سے نہایت ضروری اور ناگزیر تھا لیکن کہنے والوں کی غرض صرف یہ تھی کہ مسلمان دنیاوی عیش و عشرت میں مبتلا ہو کر خدا کو نہ بھول جائیں اور تعلیم قرآن سے منہ نہ موڑلیں۔ ان کا مطلب یہ ہرگز نہ تھا کہ اسلام نے حصول دنیا ہی کو حرام قرار دیا ہے، لیکن جوں جوں زمانہ گزرتا گیا، واعظوں کا طرز خطابت اور سننے والوں کی ذہنیت بدلتی گئی۔ نسلیں بدلتی رہیں اور ہر نسل کے لوگ بچپن ہی سے اس کو سنتے رہے حتیٰ کہ تمام قوم کے دماغ میں یہ خیال راسخ ہو گیا کہ روپیہ پیسہ کمانا حرام اور شان و شوکت کے اسباب مہیا کرنا گناہ ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ قوائے عمل بیکار اور تمام مسلمان من حیث القوم مفلس و نادار ہو کر رہ گئے۔ قوم مفلس و نادار ہو گئی جہانگیری و جہانبانی کے ولولے تو کجا پیٹ بھرنے کے لئے محنت کرنا بھی مصیبت معلوم ہونے لگا۔ لوگ غربت کی وجہ سے ایمان بیچنے لگے لیکن وعظ جو ہزار بارہ سو برس پہلے شروع ہوا تھا اسی طرح رہا۔ آج بھی ہمارے علماء اور ائمہ وعظ و نصیحت کی مجالس اور مساجد جامعہ منبروں سے یہی کہتے ہوئے سنے جاتے ہیں کہ

"الدنیا جیفته وطالبها کلاب"

اب اگر ہم قرآن اور حدیث کی طرف رجوع کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ خدا اور رسول نے تو کہیں بھی اکتساب دنیا اور حصول حشمت و جاہ کو حرام نہیں کیا، چنانچہ اس بات کے ثبوت میں قرآن سے چند آیات کا ترجمہ پیش کیا جاتا ہے:۔

(۱) لوگوں میں ایسے بھی ہیں جو کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہم کو دنیا اور آخرت دونوں میں بھلائی عطا فرما اور عذاب دوزخ سے بچا۔ یہی لوگ ہیں جن کے لیے ان کی محنت کا صلہ ہے اور اللہ تعالیٰ بہت جلد حساب لینے والا ہے۔ (آیات ۲۰۱۔ ۲۰۲ رکوع ۔ ۲۵۔ سورۃ بقرہ)

(2) اور خوشنما بنائی گئی ہیں آدمیوں کے لئے مرغوب چیزوں کی محبت مثلاً" عورتیں، بچے، سونے چاندی کے ڈھیر، عمدہ گھوڑے اور مویشی اور کھیتی باڑی اور یہی چیزیں سرمایہ

حیات دنیوی ہیں اور اللہ تعالیٰ کے پاس (اس سے) بھی اچھا ٹھکانا ہے۔ (آیت ۱۳ رکوع ۲ آل عمران)

(3) ہم نے آباد کیا تم کو زمین میں اور پیدا کئے اس میں تمہارے لئے سامان زندگی۔ (آیت ۱۰ رکوع ۱۔ سورہ اعراف)

یہاں سامان زندگی سے مراد ہر وہ چیز ہے جو زمین سے حاصل ہو مثلاً" ہر قسم کا غلہ، پھل، کپڑے بنانے کا سامان، ہر قسم کی دھاتیں اور معدنی اشیاء مثلاً" لوہا، تانبا، چاندی سونا، جواہرات، کوئلہ اور پٹرول وغیرہ۔

(4) اے پیغمبر کہہ دو کہ جو زینت کے سامان اور کھانے کی پاکیزہ چیزیں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لئے پیدا کی ہیں ان کو کس نے حرام کر دیا ہے۔ تم کہہ دو کہ جو لوگ حیات دنیوی میں ایمان لائے قیامت کے دن یہ چیزیں خاص انہی کے لئے ہوں گی۔ (آیت ۳۲۔ رکوع ۴۔ سورہ اعراف)

اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ نعائم دنیا اس جہان میں تو کافروں اور مومنوں دونوں ہی کے لئے ہیں۔ لیکن آخرت میں صرف مومنوں کو ملیں گی، کفار کو نہیں۔

(5) اور جو کچھ تجھ کو اللہ تعالیٰ نے دیا ہے۔ اس سے دار آخرت کی فکر کر اور اپنے دنیا کے حصہ کو مت بھول۔ (آیت ۷۵ رکوع ۸ سورہ قصص)

اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ دنیا ضرور پیدا کرو لیکن اس کو اس طرح کام میں لاؤ کہ آخرت میں بھی سرخرو رہو اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں صرف یہ کہہ کر کہ اپنے دنیا کے حصے کو مت بھول مسلمانوں کے حقوق کی حفاظت اور حصول کا ایک مبسوط قانون بیان کر دیا ہے۔ اس کا یہ مطلب ہے کہ تمہارے جو دنیوی حقوق لوگوں پر واجب ہیں ان کو ضرور حاصل کر کے رہو بیجا لحاظ و مروت یا سستی و کاہلی کی وجہ سے دست بردار نہ ہو۔ ظاہر ہے کہ جب چھوٹے چھوٹے حقوق کی طرف سے بے پروائی برت کر تم اس بات کے عادی ہو جاؤ گے تو رفتہ رفتہ بڑی بڑی چیزیں حتیٰ کہ سلطنتیں بھی تمہارے ہاتھ سے نکل جائیں گی اور تمہیں احساس تک نہ ہو گا۔ ہندوستان میں مغل بادشاہوں نے یورپین اقوام کو ناجائز حقوق

عطا کر کے نتیجہ دیکھ لیا۔ ترکی کی تباہی کا بڑا سبب یہی تھا۔ بلکہ سلاطین ترکی نے یورپین اقوام کو اپنے ملک اور دارالسلطنت میں ان کے اپنے ڈاک خانے، تار گھر اور عدالتیں بنانے کی اجازت دے دی۔ یہ کسی طرح بھی ان غیر اقوام کا حق نہ تھا بلکہ ترکوں کا حق تھا۔ یہی حال احادیث کا ہے، حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ :۔

الفقر سواد الوجہ فی الدارین

یعنی "غربت دونوں جہان میں رسوائی کا موجب ہوتی ہے" یہ بھی ارشاد ہوا ہے کہ۔

کاد الفقر ان یکون کفرا

یعنی "افلاس کفر کا سبب ہوتا ہے"۔ حضرت عمرؓ یہ دعا کیا کرتے تھے۔

الھم تنزع الدنیا من قلبی ولا تنزعھا من یدی O

یعنی "اے اللہ تعالیٰ میرے دل کو دنیا سے خالی رکھ لیکن میرے ہاتھوں کو دنیا سے خالی نہ رکھ"۔ ان تمام آیات اور احادیث سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ حصول دنیا تو کسی طرح بھی منع نہیں لیکن دنیا کی وجہ سے خدا کو بھول جانا یقیناً منع ہے اور یہی بات ہے جو حضرت مولانا رومؒ فرما گئے ہیں۔ یعنی

اھل دنیا کافران مطلق اند
روز و شب درچق چق و دربق بق اند
چیست دنیا از خدا غافل بدن
نے قماش و نقرہ و فرزند و زن

ہمارے زوال کی ایک اور بڑی وجہ عوام کی جہالت اور ہمارے خواص کی کم علمی اور اپنے فرائض کی طرف سے بے پرواہی ہے۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے

ہمارے عوام

اس وقت دنیا میں مسلمانوں کی تعداد کم و بیش ساٹھ کروڑ ہے۔ اگر ان میں سے

پڑھے لکھے لوگ چنے جائیں تو شاید دو فیصدی بھی مشکل سے نکلیں گے۔ اور ان میں سے بھی اکثر ایسے ہوں گے جو صرف معمولی شد بد رکھتے ہیں۔ یہ صورت حال بہت ہی مایوس کن ہے۔ اس جہالت کی وجہ سے قوم کا سواد اعظم بیکار ہو کر رہ گیا ہے۔ یہ لوگ نہ تو مذہب ہی کو جانتے ہیں نہ دنیا کے حالات ہی سے باخبر ہیں۔ اس لئے ہمیشہ غیروں کے ہاتھ بک جاتے ہیں اور ملت کی بہبود کا مطلق خیال نہیں کرتے۔

ہمارے علمائے دین

ان میں کثیر تعداد ایسے لوگوں کی ہے جو گھر میں دو چار کتابیں پڑھ کر پہلے مولود خواں بنتے ہیں، پھر وعظ و نصیحت کا پیشہ اختیار کر کے رفتہ رفتہ عالم دین مشہور ہو جاتے ہیں۔ یہ لوگ دین کے اسرار و غوامص، تو کیا اصول و فروع سے بھی واقف نہیں ہوتے۔ یہی وہ علماء ہیں جو لوگوں کو خوش کرنے کے لئے مزیدار چٹکلے، اشعار اور بے سروپا روایتیں اور حکایتیں بیان کر کے خراج تحسین وصول کرتے اور اپنی جیبیں بھرتے ہیں۔ ان کو ملت کی فلاح و بہبود کی کوئی فکر نہیں۔ جس کا کھاتے ہیں اسی کا گاتے ہیں اور اسی کے ہاتھ پر اپنا ضمیر فروخت کر دیتے ہیں۔ اب رہے وہ بزرگ جو درحقیقت عالم دین ہیں تو ان میں یہ کمی ہے کہ وہ ان علوم دینوی سے بے بہرہ ہوتے ہیں جن میں کمال پیدا کئے بغیر آج کی دنیا میں ترقی کرنا اور دوسری متمدن اقوام کے دوش بدوش چلنا قطعاً" ناممکن ہے۔ علاوہ ازیں علمائے کرام کی پوری عزت و تکریم ملحوظ رکھتے ہوئے بھی ہم یہ کہنے کے لئے مجبور ہیں کہ ان بزرگوں کی اکثریت نے پچھلی کئی صدیوں سے اپنے فرائض کما حقہ ادا نہیں کیے۔ نائب رسول ﷺ ہونے کی حیثیت سے ان کا فرض ہے کہ وہ عوام کو نہ صرف دین کی تعلیم دیں بلکہ ایسے ذرائع بھی بروئے کار لائیں کہ یہ تعلیم ان میں رائج ہو اور راسخ ہو جائے۔ اگر علمائے دین اپنے فرائض کما حقہ ادا کرتے تو آج ملت کے عوام دین سے اس قدر بے خبر نہ ہوتے۔ دوسرے ممالک کی بابت ہم زیادہ نہیں جانتے لیکن ہندوستان اور پاکستان میں ہم نے بچشم خود دیکھا ہے کہ دیہات کے مسلمانوں کی عظیم اکثریت مذہب کی مبادیات سے بھی واقف نہیں شہر دہلی صدیوں تک مسلمانوں کا دارالحکومت رہا ہے وہاں یہ حال ہے کہ دس

میل دور چلے جایئے تو دیہات میں کوئی نماز سے واقف ہے نہ روزے سے حتیٰ کہ ان کی وضع قطع، نام اور رسوم بھی ہندووانہ ہیں۔ اکثر دیہات میں نکاح کے وقت پہلے پنڈت جی ہندوانہ رسوم کے تحت پھیرے ڈالتے ہیں پھر قاضی صاحب نکاح پڑھاتے ہیں۔ ایک دفعہ ہم میوات کے ایک بہت بڑے گاؤں میں مقیم تھے جہاں مسجد بھی تھی۔ ایک دن ایک میو نے دوسرے سے کہا کہ آج میرے لڑکے کا عقیقہ ہے لیکن ملا دلی چلا گیا ہے۔ اب بکرا کون کاٹے گا۔ اس نے جواب دیا ملا چھری پڑھ کر فلاں شخص کے مکان میں رکھ گیا ہے۔ وہاں سے لیکر تو کاٹ لے۔ ہم نے پوچھا تو معلوم ہوا کہ ملاجی جانوروں کو ذبح کرنے کی اجرت چار آنے فی جانور کے حساب سے وصول کرتے ہیں۔ اس لئے جب باہر جاتے ہیں تو چھری پر تکبیر دم کر کے رکھ جاتے ہیں۔ تاکہ لوگ ان کی غیر حاضری میں خود ہی جانوروں کو ذبح کریں اور ذبیحہ ناجائز نہ ہو۔ جب ملاجی واپس آتے ہیں تو جتنے جانور ان کی غیر حاضری میں ذبح ہوئے تھے سب کی اجرت ان کو دی جاتی ہے۔ دہلی سے مشرق کی طرف سینکڑوں میل تک ملکانے راجپوت آباد ہیں۔ ان کو نماز روزہ تو کیا کلمہ تک بھی نہیں آتا۔ تحریک آزادی کے زمانے میں جب ہندوؤں نے شدھی کی مہم شروع کی تو اس علاقہ کے ہزارہا نام نہاد مسلمان چٹکی بجاتے آریہ ہو گئے۔

یہ تو تھا اس دہلی کے مضافات کا حال جو صدیوں تک علم دین کا گہوارہ اور علمائے دین کا مرکز رہی ہے۔ دور افتادہ دیہات کی حالت اور بھی ابتر ہے، ہر جگہ اکثریت ایسے لوگوں کی ہے جو نماز روزہ تو کیا رسول خدا ﷺ کے نام مبارک سے بھی واقف نہیں۔ جنوبی ہند میں ایک مرتبہ ایسے علاقہ میں جانے کا اتفاق ہوا جہاں دس بارہ گاؤں مسلمانوں کے اکھٹے آباد تھے۔ دیکھا تو کسی گاؤں میں بھی مسجد نہ تھی۔ پوچھا کیا آپ لوگ نماز نہیں پڑھتے۔ جواب ملا کیوں نہیں؟ ہر جمعرات کو پڑھتے ہیں۔ تحقیق کرنے پر معلوم ہوا کہ ہر گاؤں کے باہر ایک زیارت یعنی کسی پیر کی قبر ہے وہاں ماتھا ٹیک آتے ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ ہمارے علمائے دین جن کا کام ہی تبلیغ و تلقین دین ہے کیا یہ ان کا فرض نہ تھا کہ ان شعائر دین سے ناآشنا مسلمانوں کو تلقین کر کے پکا مسلمان بناتے۔ ہندوستان میں یہ فرض اب اور

بھی شدید ہو گیا ہے ' کیونکہ شدھی کی تحریک کی وجہ سے ان سب مسلمانوں کے مرتد ہو جانے کا سخت خطرہ ہے۔ اس میں شک نہیں کہ اس کام میں پہلے سے کہیں زیادہ دقتیں پیش آئیں گی۔ ہندوؤں کی طرف سے ہر قسم کی رکاوٹیں اور دشواریاں پیدا کی جائیں گی۔ اور بسا اوقات ہمارے مبلغین کی جانوں تک کو خطرہ ہو گا۔ لیکن قرآن تو یہی سکھاتا ہے کہ کوئی سخت سے سخت مشکل اور بڑے سے بڑا خطرہ بھی مومن کو اپنے فرائض کی بجا آوری سے باز نہیں رکھ سکتا۔ بات دراصل یہ ہے کہ اب تک ہمارے علمائے دین کی دینی خدمات اور سرگرمیاں صرف بڑے بڑے شہروں اور قصبوں تک اس لئے محدود رہیں کہ وہاں ہر قسم کا آرام ملتا اور ہر قسم کی سہولتیں میسر آتی ہیں اور دیہات میں ہر طرح کی تکلیف کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ لیکن اگر ہم یہ دیکھیں کہ عیسائی مشنوں کے پادری اور مبلغین کس طرح نہ صرف متمدن ممالک کے دیہات بلکہ افریقہ اور امریکہ کے غیر آباد جنگلوں اور پر خطر بلکہ ناقابل گزر علاقوں میں پہنچ کر وہاں کے وحشی اور خونخوار قبائل میں بھی اپنے دین کی تبلیغ کرتے ہیں تو کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آتی کہ ہمارے علمائے کرام اپنے متمدن ممالک میں ایسا کیوں نہیں کر سکتے ؟

پاکستان کا حال بھی اس لحاظ سے کچھ بہتر نہیں۔ مشرقی پاکستان سندھ اور بلوچستانی دیہات کے مسلمان بھی دین سے اسی طرح اجنبی ہیں جس طرح ہندوستانی دیہات کے نام نہاد مسلمان۔ پنجاب کے دیہات کا حال نسبتاً" بہتر ہے لیکن یہاں قبر پرستی اور پیر پرستی اس قدر شدت سے ہے کہ توحید پرستی کا دور دور تک پتہ بھی نہیں۔ سرحدی علاقہ کی بابت عام طور پہ یہ خیال کیا جاتا ہے کہ یہاں کے باشندے بڑے پکے اور جوشیلے مسلمان ہیں لیکن ہم نے خود ان علاقوں کا سفر کر کے دیکھا تو معلوم ہوا کہ بڑے بڑے شہروں اور قصبوں سے قطع نظر دیہات میں یہاں بھی معاملہ صفر ہی ہے۔ یہاں کے دیہات اور قبائلی علاقوں میں قبر پرستی اور اور پیر پرستی اس قدر زور پر ہے کہ بت پرستی کو بھی شرم آتی ہے۔ نماز یہاں کے باشندے بے شبہ کثرت سے پڑھتے ہیں ' لیکن اول تو طہارت اسلامی سے قطعاً" ناآشنا اور بے انتہا گندے ہیں دوسرے اکثر نمازیوں کو الحمد یا کوئی دوسری سورہ بھی یاد نہیں۔ قیام '

رکوع، اور سجود تو کر لیتے ہیں، لیکن ان میں پڑھتے بھی نہیں ۔ علاوہ ازیں اخلاق اسلامی اور خلق محمدی سے تو ان کو دور کا واسطہ بھی نہیں ۔ قتل و غارت، رہزنی اور ڈکیتی دن رات کی معمولی باتیں ہیں، لیکن غور سے دیکھا جائے تو یہ پٹھان اپنے تہور اور دوسری خداداد جسمانی اور ذہنی قابلیتوں کی وجہ سے ہر طرح اس کے اہل ہیں کہ اگر ان کو صحیح قسم کی دینی اور دنیوی تعلیم و تربیت دی جائے تو اسلام کی اتنی بڑی خدمت کر سکتے ہیں کہ ایک مرتبہ پھر دنیا حیران رہ جائے گی ۔ کیا ہماری حکومت صرف لوہا" کوئلہ، گیس، پٹرول اور سونا، چاندی کی کانیں ہی کھودتی رہے گی اور ان انمول جواہرات کی کان کی طرف کبھی توجہ نہ کرے گی، اگر اسلام کو سربلند کرنا ہے تو اس طرف فورا" توجہ کرنی چاہیے ۔ سندھ اور بلوچستان کا حال ان سرحدی مسلمانوں سے بھی گیا گزرا ہے مشرقی بنگال کے دیہاتی مسلمانوں کا حال بھی خراب ہے ۔ دین سے ناواقفیت کے ساتھ یہاں معاشرت بھی ہندوانہ ہی ہے ۔ اندریں حالات ہم وطن عزیز کی بڑی بڑی جماعتوں اور ان کے محترم پیشواؤں کو بصد خلوص و احترام یاد دلاتے ہیں کہ حضرات آپ کا پہلا فرض سیاست نہیں بلکہ دین کی تبلیغ و اشاعت ہے ۔ اس واسطے کچھ عرصہ کے لئے سیاسی سرگرمیاں کم کر کے اس طرف توجہ فرمائیں ۔ پاکستان کے دور افتادہ دیہات میں جا بجا اپنے مستقر قائم کریں اور وہاں کے نام نہاد مسلمانوں کو پکا مسلمان بنانے کا فرض بجا لائیں تاکہ آپ کا پاکستان واقعی معنوں میں پاک اور ایک اسلامی ملک اور اسلامی اجتماعی قوت کا خزینہ بن جائے ۔ اگر آپ کو خدشہ ہے کہ اس طرح آپ کے سیاسی عزائم کو نقصان پہنچے گا تو یقین مانئے کہ ان علاقوں میں کچھ عرصہ کام کرنے کے بعد یہاں کے باشندے آپ کے اس قدر مطیع و منقاد ہو جائیں گے کہ انتخابات اور دوسرے سیاسی مقاصد کے لئے ہمیشہ آپ ہی کا ساتھ دیں گے اور اگر آپ کو خیال ہے کہ اتنے بڑے کام کے لئے روپیہ کہاں سے آئے گا ۔ تو بھی یقین رکھیے کہ قوم میں مخیر اور ایثار کرنے والے حضرات کی کمی نہیں ۔ جب ان سے امداد طلب کریں گے تو ناکام واپس نہ آئیں گے ۔ ہاں شرط یہ ہے کہ آپ کی تنظیم مکمل اور لوگوں کا اعتماد آپ کو حاصل ہو ۔

مرتب ایم محمد طالب

انسانیت کے بے لوث محسن

(مولانا سید ابوالحسن علی ندوی)

اللہ تعالیٰ کے پیغمبر انسان کے اندر تبدیلی پیدا کرتے ہیں۔ وہ نظام بدلنے کی اتنی کوشش نہیں کرتے، جتنا مزاج بدلنے کی کوشش کرتے ہیں۔ نظام ہمیشہ مزاج کے تابع رہا ہے۔ اگر دل نہیں بدلتا، مزاج نہیں بدلتا تو کچھ نہیں بدلتا۔ لوگ کہتے ہیں کہ دنیا خراب ہے، زمانہ خراب ہے۔ میں کہتا ہوں یہ کچھ نہیں، بلکہ انسان خراب ہے۔ کیا زمین کی حالت میں فرق پڑ گیا، کیا ہوا کا اثر بدل گیا، کیا سورج نے گرمی اور روشنی دینی چھوڑ دی، کیا آسمان کی حالت تبدیل ہو گئی؟ کس کی فطرت میں فرق پڑا؟ زمین اسی طرح سونا اگل رہی ہے۔ اس کے سینہ سے اسی طرح اناج کا ذخیرہ ابل رہا ہے، پھلوں کے ڈھیر نکل رہے ہیں لیکن تقسیم کرنے والے پاپی ہو گئے۔ یہ ظالم جب اپنی ضروریات کی فہرست بناتے ہیں تو اخبارات کے صفحات اس کے لئے تنگ اور دفتر کے دفتران کے لئے کم اور جب دوسروں کی ضروریات پر سوچتے ہیں تو ساری علم معاشیات کی قابلیت کا کمال اس کے مختصر کرنے میں صرف کر دیتے ہیں۔ جب تک یہ رجحان نہیں بدلتا، انسانیت کراہتی رہے گی۔ پیغمبر دلوں میں انجیکشن لگاتے ہیں، لوگ باہر کی ٹیپ ٹاپ کرتے ہیں اور اسی پر سارا زور صرف کرتے ہیں، پیغمبر اندر کے گھن کی فکر کرتے ہیں۔ آج ساری دنیا میں یہی ہو رہا ہے۔ انسانیت کا درخت اندر سے خشک ہوتا چلا جا رہا ہے۔ کیڑا اس کے گودے کو کھائے چلا جا رہا ہے۔ لیکن زمانہ کے بقراط اوپر سے پانی چھڑکوا رہے ہیں۔ درخت کے اندر کی سرسبزی اور اس کے نشوونما کی جو قوت تھی وہ ختم ہو چلی ہے لیکن پتیوں کو سرسبز کرنے کو ہوائیں پہنچائی جا رہی ہیں، پانی چھڑکایا جا رہا ہے کہ خشک پتے ہرے ہوں۔

پیغمبروں نے انسان کو انسان بنانے کی کوشش کی۔ انہوں نے اسے ایمانی انجیکشن دیا اور کہا کہ اے بھولے ہوئے انسان! اپنے پیدا کرنے والے کو پہچان اور سوتے جاگتے، چلتے پھرتے اسے نگران مان

لا تاخذہ سنتہ ولا نوم○

نہ اس پر اونگھ کا غلبہ ہوتا ہے اور نہ اسے نیند آتی ہے۔

پس جب تک انسان کے قلب و جگر سے محبت کا سرچشمہ نہ ابلے، جب تک دل کے اندر ایثار کا جذبہ پیدا نہ ہو، انسانیت کی اصلاح ناممکن ہے۔ بس وہ ایسی انسانی تربیت کرتے ہیں کہ اس میں بھائی کے لئے ایثار اور تکلیف اٹھانے کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ وہ محض قانون سے انسان کا علاج نہیں کرتے بلکہ وہ انسان کے اندر حقیقی انسانیت کا جوہر پیدا کرتے ہیں۔ وہ ایسی قوم پیدا کرتے ہیں جو صحیح انسانیت کا مظاہرہ کر کے یہ ثابت کر دیتی ہے کہ ہم معدہ، پیٹ اور سر کے غلام نہیں۔ وہ زبان حال سے اعلان کرتی ہے کہ شکم پرست، شوق پرست، دولت پرست، بادشاہ پرست، یا اہل و عیال پرست نہیں۔ جب تک ایسی قوم سامنے نہیں آتی۔ انسانیت کی اصلاح نہیں ہو سکتی۔

اگر کسی ملک میں ایسی قوم پیدا ہوتی ہے کہ سب کو نفع پہنچائے اور خود کو بھول جائے تو وہ انسانیت کو سدھار سکتی ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ بڑے بڑے انسانیت کے خیرخواہ گزرے ہیں، لیکن کسی نہ کسی سٹیج پر آپ یہ پائیں گے کہ انہوں نے بالآخر اپنا انتظام کر لیا۔ ایسے بے شمار قوم کے سیوک گزرے ہیں جنہوں نے قومی سدھار کا کام بڑی مشکلات میں شروع کیا، جیلیں کاٹیں لیکن بالآخر جیل سے نکل کر حکومت کی کرسیوں پر جا بیٹھے۔ ان کا یہ حق تھا انہیں مبارک ہو۔

لیکن اللہ کے پیغمبر دنیا سے بے داغ چلے گئے۔ انہوں نے دنیا کے آرام کی خاطر اپنا عیش تج دیا۔ انہوں نے سو فیصدی دوسروں کے فائدے میں بے آرام زندگی گذاری اور ایک فیصدی بھی اپنا فائدہ نہیں اٹھایا۔ وہ اور ان کے صحابی اور ساتھی جہاں سے گزرے دنیا کو نہال کر دیا۔ دنیا آج تک ان کے لگائے ہوئے باغ کا پھل کھا رہی ہے۔ جسے انہوں نے اپنے خون سے سینچا تھا۔ جو دوسروں کے گھر میں چراغاں کر گئے لیکن ان کے گھر میں دنیا سے جاتے وقت اندھیرا تھا۔ محمد رسول اللہ ﷺ کی عطا کی ہوئی روشنی جھونپڑیوں

اور شاہی محلوں میں یکساں جگمگائی لیکن جاتے وقت ان کے گھر کا چراغ مانگے ہوئے تیل سے جل رہا تھا۔ آپ ﷺ فرماتے تھے۔

نحن معشر الانبیا لا نرث ولا نورث ماترکنا صدقته O

یعنی "ہم پیغمبر نہ کسی کے وارث ہوتے ہیں نہ ہمارا کوئی وارث ہوتا ہے، ہم جو کچھ چھوڑیں وہ سب غریبوں کا حق ہے" اس سے بڑھ کر آپ کا ارشاد تھا کہ جو کوئی مرگیا اور وہ کچھ ترکہ چھوڑ گیا وہ اس کے ورثاء کو مبارک ہو. ہم اس سے ایک پیسہ نہیں لیں گے، لیکن جو قرض چھوڑ گیا ہے وہ میرے ذمہ ہے، اسے میں ادا کروں گا۔

کیا دنیا کے کسی بادشاہ یا قائد نے یہ نمونہ چھوڑا ہے؟ آپ کی زندگی انسانیت کا شاہکار ہے۔ آپ دنیا کے سامنے ایسا نمونہ پیش کر گئے جس میں سوائے ایثار و محبت اور دوسروں کے غم میں گھلنے کے کہیں اپنا رتی برابر فائدہ نظر نہیں آتا۔ آپ عرب کے واحد بادشاہ تھے دلوں پر ان کی حکمرانی تھی لیکن دنیا سے دامن بچائے ہوئے بے منت چلے گئے۔ آپ ہی نہیں بلکہ جو جتنا آپ سے قریب تھا اتنا ہی وہ خطرے سے قریب اور فائدہ سے دور تھا۔ آپ ﷺ نے اپنی گھر والیوں کو علی الاعلان کہہ دیا کہ اگر دنیا کی بہار اور عیش چاہتی ہو تو ہم تم کو کچھ دے دلا کر اچھی طرح تمہارے گھروں کو رخصت کر دیں گے، تم وہاں واپس جاؤ اور راحت و آرام کی زندگی گذارو اور ہم سے فارغ خطی لے لو۔ ہمارے ساتھ رہنا ہے تو درد. دکھ. اور تنگی برداشت کرنا ہو گا۔ یہی اس گھر کا تحفہ ہے اور اسی پر اللہ کے ہاں سے انعام ملے گا۔

دوستو! ہم چاہتے ہیں کہ پھر یہی زندگی عام ہو انسانیت کی بے لوث خدمت اور بے غرض محبت کا رواج ہو، پھر دوسروں کے نفع کے لئے اپنے نقصان کو ترجیح دی جائے، پھر ایسی قوم پیدا ہو جو خطرے کے موقع پر پیش پیش اور نفع کے موقع پر دور دور نظر آئے +

ماخوذ از "تعمیر انسانیت"

انتخاب:۔ (شیخ محمد اسلم)

تدوین حدیث

امتیاز علی قریشی آفاقی

حدیثوں کی کتابت کے سلسلے میں یہ غلط فہمی پیدا ہوتی ہے کہ رسالت مآب ﷺ کے عہد میں لکھنے پڑھنے کا رواج نہیں تھا اور سارا معاملہ حافظہ کے سپرد تھا' یہ بہت بڑا مغالطہ ہے۔ رسالت مآب ﷺ کے عہد میں پڑھنے لکھنے کا رواج نہ صرف مردوں میں بلکہ عورتوں میں بھی تھا۔ بہت سے صحابہ و صحابیات کو لکھنا پڑھنا آتا تھا۔ حضرت بی بی عائشہ ؓ' ام المومنین حفصہ ؓ' بی بی اسما بنت ابی بکر ؓ' حضرت حیبہ ؓ' بی بی زینب ؓ ان کے علاوہ اور بہت سی صحابیات لکھنا پڑھنا جانتی تھیں۔ رسول اللہ ﷺ کے عہد میں لین دین کے لکھنے کا عام رواج تھا' اس لیے قرآن مجید نے لین دین کو لکھ لینے کا حکم دیا ہے (سورہ بقرہ)

صحابہ حضرات میں عبداللہ بن مسعود ؓ آپ ﷺ کے ملفوظات اور فیصلے لکھا کرتے تھے اس کا ایک مجموعہ ان کے پاس آخر تک رہا' اسی طرح عبداللہ بن عمرو بن العاص ؓ' حضرت انس بن مالک ؓ' جو کچھ رسول اللہ ﷺ سے سنتے لکھ لیا کرتے' حضرت ابو ہریرہ ؓ نے اپنی تمام روایات خود لکھ کر محفوظ کرلی تھیں' حضرت جابر ؓ نے جو کچھ سنا لکھ رکھا تھا۔ اگر پوری تلاش و تفحص کریں تو تقریباً ایسے صحابہ کا ذکر چالیس سے اوپر ملے گا۔

ان صحابہ سے تابعین اور تابعین سے تبع تابعین نے احادیثیں سنیں اور اکثر و بیشتر نے لکھ کر محفوظ کرلیں۔ یہی وہ دفتر تھا جس سے دوسری اور تیسری صدی کے جامعین حدیث نے حدیث کی کتابیں مدون کی (دیکھئے جامع بیان العلم ابن عبدالرب باب کتاب العلم)

پہلی صدی۔ دس ہزار سے کم متصل السند حدیثوں کا جو سرمایہ آج موجود ہے وہ تمام تر کتابی شکل میں خود صحابہ ہی کے ہاتھوں مدون ہو چکا تھا' آئیے پہلی صدی کا جائزہ لیتے ہیں:۔ رسول اللہ ﷺ کی وفات ۱۲ ربیع الاول کو ۱۱ھ میں ہوئی آپ کے بعد صحابہ کا دور شروع ہوا جو آخری صحابی حضرت عامر بن واثلہ ؓ (ابوالطفیل ؓ) ہیں ان کی وفات ۱۱۰ھ میں

ہوئی ان پر یہ دور ختم ہو گیا۔ اس دور میں ایک حضرت عامر بن واثلہؓ ہی نہیں بلکہ بہت سے اصحاب مکہ، مدینہ، بصرہ، کوفہ، شام اور مصر میں موجود تھے۔ جن صحابہ سے زیادہ حدیثیں مروی ہیں ان کو لیجئے تو آپ ﷺ کے بعد انس بن مالکؓ ۸۳ سال، ابو سعید خدریؓ ۶۴ سال، عبداللہ بن عمرؓ ۲۳ سال، ابوامامۃ الباہلیؓ ۸۰ سال تک زندہ رہے اور رسول اللہ ﷺ کے قول و عمل کی اشاعت کرتے رہے (دیکھئے الاستیعاب اور الاصابہ)

دوسری صدی:- عہد تابعین میں تو بیسوں کتابیں مدون ہوئیں اور ان کے متعدد نسخے اب بھی کہیں کہیں مل جاتے ہیں۔ اس لیے یہ سمجھنا کسی طرح صحیح نہیں کہ احادیث کی تدوین کتابی شکل میں صرف تیسری صدی میں شروع ہوئی حسب ذیل کتب تو بہر حال دوسری تیسری صدی سے پہلے مرتب و مدون ہو چکی تھیں۔

1۔ مسند امام ابوحنیفہ ولادت ۸۰ھ وفات ۱۸۰ھ بیسیوں جگہ اس کے قلمی نسخے موجود ہیں اور اس پر بہت شرحیں لکھی گئیں۔ کئی بار چھپ چکی ہے۔

2۔ موطا امام مالک ولادت ۹۵ھ وفات ۱۸۲ھ چھپ چکی ہے۔

3۔ کتاب الاثار امام ابوحنیفہ روایت محمد بن حسن شیبانی ولادت ---۔ وفات ۱۷۹ھ چھپ چکی ہے۔

یہ چند کتابیں نمونہ از خروارے ذکر ہوئیں اس کے علاوہ کتب خانوں میں متعدد حدیث کے مجموعہ ملیں گے جو دوسری صدی ہجری میں مدون ہوئے۔ مندرجہ ذیل حقائق کی روشنی میں یہ تاثر غلط ہے کہ احادیث کی تدوین کا کام صرف تیسری صدی سے شروع ہوا۔

تیسری صدی:- یہ بھی عام غلط فہمی ہے۔ چونکہ حدیث کی چھ مشہور درسی کتابوں کے مولفین کا زمانہ تیسری صدی کا ہے اس لیے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ تیسری صدی ہجری سے پہلے احادیث کا کوئی مجموعہ مدون ہی نہیں ہوا تھا حالانکہ واقعہ یہ نہیں ہے۔ احادیث نبوی کے متعدد مجموعے خود حضور ﷺ کی حیات طیبہ ہی میں مدون ہو چکے تھے

جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ پہلی اور دوسری احادیث کے مجموعہ کی تدوین مضامین کے ابواب کے بغیر ہوئی تھی۔ تیسری صدی کے مولفین نے مضامین کے تحت ابواب میں مرتب کی جس سے ان کی اہمیت بڑھی اور حوالہ جات میں آسانی پیدا ہو گئی۔ مذکورہ احادیث کے مجموعے جو صحاح ستہ کہلاتے ہیں ان مولفین کا زمانہ یہ ہے :-

(۱) امام بخاری متوفی ۲۷۵ھ (۲) امام مسلم متوفی ۲۶۱ھ (۳) امام ترمذی متوفی ۲۷۶ھ (۴) امام ابو داؤد سجستانی ۲۷۵ھ (۵) امام ابن ماجہ متوفی ۲۷۲ھ (۶) امام نسائی متوفی ۳۰۳ھ۔

حدیثوں کی تعداد کے متعلق غلط فہمی کا ازالہ :- لوگ جب یہ سنتے یا کہتے ہیں کہ امام بخاری کو تیس لاکھ حدیثیں یاد تھیں اور ابو اعدانہ کو سات لاکھ حدیثیں یاد تھیں تو بعض لوگ چونک جاتے ہیں۔ اکثر لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ان بزرگوں کو اتنی عبارتیں حدیث کی کیسے یاد تھیں۔ یاد رکھئے اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا جو عام لوگ سمجھتے ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ احادیث کے دو حصہ ہوتے ہیں۔ ایک متن یعنی اصل عبارت دوسرا سند یعنی راویوں کے نام جن کے ذریعہ اور حوالے سے اصل عبارت کو تصدیقاً" بیان کے لیے اگلے لوگوں تک پہنچایا جاتا ہے۔ محدثین حدیثون کا شمار متن سے نہیں کرتے۔ بلکہ سند سے کرتے ہیں۔ جب ایک ہی حدیث کا متن متعدد سندوں سے بیان کیا جاتا ہے تو شمار میں اسے متعدد قرار دیا جاتا ہے۔ مثلاً" یہ ایک حدیث "انما الاعمال بالنیات" متن کے اعتبار سے ایک ہی ہے اور بطور واقعہ بھی ایک ہی ہے۔ مگر فن حدیث کے اصطلاحی شمار میں یہ اپنی اسناد کی کثرت کی وجہ سے سات سو بار شمار ہوتی ہے۔

حدیثوں کو سند کی بنیاد کی بجائے متن کی بنیاد پر شمار کریں تو حدیثوں کا واقعی سرمایہ دس ہزار سے بھی کم ہے چہ جائے کہ لاکھ دو لاکھ اور سات لاکھ 'اگر ہم جھوٹ ' سچ ' موضوع ' منکر ' مہمل ' آثار وغیرہ سب احادیث کو ملا لیں تب بھی پینتیس ہزار سے زیادہ

نہیں ہوتی ۔ چند حدیثوں کی کتابوں میں شامل حدیثوں کی تعداد مندرجہ ذیل ہے ۔

1۔ صحیح بخاری میں بعد حذف مکررات = (۲۶۰۲) اکثر ایک ہی حدیث دونوں کی کتاب میں ہے ۔

2۔ صحیح مسلم میں = ۴۰۰۰

3۔ موطا امام مالک = (۶۹۷) اس میں بہت سی وہی حدیثیں ہیں جو مسلم میں شامل ہیں ۔

اختلاف کی وجوہ = اختلافات کے اسباب وجوہ سے بہت غلط فہمیاں پیدا ہوئی ہیں بہتر ہے کہ اس وجوہ کو ذہن نشین کر لیا جائے ' تا کہ اختلافات کو خطرناک ہنگامہ خیز اور غیر ضروری اہمیت کا حامل سمجھ کر کوئی دل برداشتہ نہ ہو جائے ۔ احادیث کا جو مجموعہ موجود ہے اس میں حضرت رسول اللہ ﷺ کے اقوال ' اعمال اور احوال کے علاوہ صحابہ کرام ؓ کے اقوال ' اعمال ' احوال ' فتاویٰ اور بعض کبار تابعین کے اقوال و فتاویٰ بھی داخل ہیں آپ انہیں غور سے دیکھیں تو کہیں آپ کو اقوال و اعمال و احوال میں بنیادی اختلاف نظر نہیں آئے گا جو اختلاف جزئیات میں نظر آتا ہے وہ مختلف طریقہ پر ہے مثلاً نماز فرائض پانچ اوقات کی ہیں ۔ فرائض کی تعداد برابر بغیر اختلاف کے ہیں ۔ نماز میں قیام ' ایک رکوع اور دو سجدے مل کر ایک رکعت پوری ہوتی ہے اب رہا یہ اختلاف کہ نماز میں آمین بالجہر ہو یا آہستہ ۔ رفع یدین ہو یا نہ ہو یہ مختلف طریقے ہیں اور رسول اللہ ﷺ نے نماز ایسے بھی پڑھی ویسے بھی اس لیے جس صحابی نے جیسے دیکھا ویسے ہی عمل کیا اور ویسے ہی روایت کی ۔ اسی طرح تمام معاملات وغیرہ میں یہ صورت حال ہے ' یہ عمل کے لیے وسعت کا سامان ہے نہ کہ کسی ذہنی انتشار کا سبب ۔

اس کے بعد صحابہ کے فتاویٰ یا تابعین کے فتاویٰ میں جو اختلاف ہے وہ محض رائے اور قیاس ہے اس کا معاملہ یہ ہے کہ سارے صحابہ اور تابعین کو ساری حدیثیں تو یاد

نہ تھیں، ہو سکتا ہے انہیں روایت ہی نہ ملی ہو، اس صورت میں اختلاف رائے ہونا فطری بات ہے، اگر صحیح حدیث مل جائے تو اس پر عمل واجب ہے ورنہ جس صحابی کے فتوے پہ جی چاہے عمل کیجئے۔ اختلاف ہرگز پریشان کن بات نہیں ہے یہ بات بھی صحیح نہیں کہ اہل حق کے درمیان کلیات اور اصول میں اختلاف ہے

فرقے بھی روایات کے اختلاف سے پیدا نہیں ہوئے تاریخ کا ادنیٰ طالب علم بھی جانتا ہے کہ مسلمانوں میں فرقہ بندی روایات کے اختلاف سے نہیں بلکہ سیاسی اقتدار کی کشمکش سے پیدا ہوئی۔ حقیقتاً" مسلمانوں میں صرف دو فرقے پیدا ہوئے۔ ایک وہ جو رسول اللہ ﷺ کے بعد ملکی انتظامات اور سرداری و جانشینی میں وراثت یا وصیت کو تسلیم نہیں کرتے دوسرا وہ جو یہ اعتقاد رکھتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی جانشینی عام وراثتی بادشاہوں کی طرح بذریعہ وراثت ہونی چاہیے اور یہ کہ آپ ﷺ نے اپنے کسی وارث کے لیے وصیت کی تھی، اس گروہ میں اب تک سو سے زیادہ فرقے ہو چکے ہیں۔ ورنہ حقیقی دو فرقہ ہیں جیسا کہ بیان ہوا۔

اس گفتگو کا لب لباب یہ نکلا کہ (۱) زمانہ رسالت ماب کے زمانے میں لوگ لکھنا پڑھنا جانتے تھے (۲) رسول اللہ ﷺ کے اقوال کو صحابہ تحریراً" نوٹ کرتے تھے (۳) امام اعظم کا علمی کام تحریراً" چلا آ رہا ہے اور وہی آنے والے لوگوں کے لئے منارہ نور ثابت ہو رہا ہے (۴) تعداد احادیث وہ نہیں جو سنی جاتیں ہیں (۶) اختلاف امہ وہ نہیں جو فساد پیدا کرتا ہے۔ للذا عافیت اسی میں ہے کم علمی کی وجہ سے اپنے امام کے سنت بتائے طریقہ پر عمل کرتے رہنا چاہیے۔

(تدوین حدیث سے متعلقہ مزید تحقیقی مقالہ، ڈاکٹر حمید اللہ کی تصنیف "خطبات بہاولپور" میں ملاحظہ کیجئے۔)

کلام اقبالؒ

عبدالرشید ساہی

نمبر1

نگاہ فقر میں شان سکندری کیا ہے
خراج کی جو گدا ہو وہ قیصری کیا ہے

پادشاہان عالم، خراج، فوج اور خزانہ کے محتاج ہوتے ہیں کیونکہ ان چیزوں کے بغیران کی بادشاہی قائم نہیں رہ سکتی، لیکن فقیران میں سے کسی چیز کی احتیاج نہیں رکھتا پھر بھی دنیا اور دنیا والوں پر حکومت کرتا ہے، اس لئے فقیر کی نگاہ میں بادشاہ کی کوئی وقعت نہیں ہوتی اور یہی وجہ ہے کہ بادشاہ تو ہمیشہ فقیروں کے دربار میں حاضر ہوتے رہے ہیں لیکن کوئی فقیر کبھی کسی بادشاہ کے دربار میں نہیں گیا۔ علامہ اقبالؒ نے اپنے ایک اور شعر میں بھی اس کو بڑے بہترین انداز میں بیان فرمایا ہے۔

خریدیں نہ ہم جس کو اپنے لہو سے
مسلماں کو ہے ننگ وہ بادشاہی

اسلام محنت مشقت سے حلال روزی کمانے اور کھانے کی تلقین کرتا ہے، چونکہ حقیقی معنوں میں فقیراسلام اور ایمان کا مجسمہ ہوتا ہے وہ کسی کے حق پر ڈاکہ نہیں ڈالتا اور ہر لمحہ صبر اور قناعت کا دامن تھامے ہوئے رہتا ہے، یہ فطری بات ہے کہ جو کوئی بھی ایمانداری سے روزی کما کر استعمال کرنے کا عادی ہوتا ہے اس کی نظر میں دنیاوی جاہ و جلال اور بادشاہی کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی اور ایسا انسان دنیاوی بادشاہت سے بالکل مرعوب نہیں ہوتا وہ اپنی خودداری میں رہ کر زندگی بسر کرتا ہے اور اپنے رب کی رضا پر ہر وقت راضی رہتا ہے اور شکر کا دامن تھامے رکھتا ہے، اس کے برعکس دنیاوی جاہ و جلال کے رسیہ حکمران اقتدار کے نشہ میں مست ہو کر جائز و ناجائز سب کر گزرتے ہیں وہ ہر کسی کی

پگڑی اچھال دینا اور مال ہڑپ کر جانا اپنا حق جانتے ہیں۔

نمبر2

بتوں سے تجھ کو امیدیں خدا سے نو میدی
مجھے بتا تو سہی اور کافری کیا ہے!

اگر کوئی شخص دنیا والوں کے سامنے دست سوال دراز کرلے اور اللہ کے فضل و کرم پر اعتماد نہ کرے تو اقبال کی نظر میں وہ شخص کافر ہے وہ فرماتے ہیں کہ انسان نے اپنے اندر جو حرص، طمع اور غرض کے بت بنا رکھے ہیں اور ان کی پوجا کر رہا ہے یہ کافری نہیں تو اور کیا ہے انسان نفسانی خواہشوں کی پیروی میں اس قدر اندھا ہو چکا ہے کہ وہ کسی کا مال نا حق غصب کر جاتا ہے ناداروں پر ظلم کرتا ہے یتیموں کے مال پر ہاتھ صاف کر جاتا ہے اور صرف نفس مردود کے کہنے پر عمل کرتے ہوئے اپنے مالک حقیقی پر بالکل توکل ختم کر دیتا ہے حالانکہ قرآن مجید فرقان حمید میں بار بار ارشاد ربانی ہے کہ تمام انسانوں کی روزی ہمارے ذمہ ہے مگر انسان کو بالکل یقین نہیں آتا اللہ جس طرح خالق ہے۔ رازق بھی ہے اس نے صریح طور پر رزق کا اس طرح وعدہ فرمایا۔

ان اللہ ھو الرزاق (بے شک اللہ ہی ہر ایک کا رازق ہے

پھر صرف ذمہ پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ اس پر قسم کھائی ارشاد فرمایا

فورب السماء والارض انہ لحق مثل ما انکم تنطقون ○

(تو آسمان اور زمین کے رب کی قسم، بے شک یہ حق ہے ویسی ہی زبان میں جو تم بولتے ہو) پھر اس قسم پر اکتفا نہیں کیا بلکہ بالکل واضح الفاظ میں توکل کا حکم دیا اور فرمایا و توکل علی الحی الذی لا یموت (اس حی و قیوم ذات پر توکل کر جس پر فنا نہیں آسکتی) تو جو شخص خدا کے قول پر اعتبار نہ کرے اور اس کے وعدے کو کافی نہ سمجھے اور اس کے ذمہ لینے پر مطمئن نہ ہو پھر اس کے وعدے وعید اور حکم کی کوئی پروا نہ کرے تو ایسے شخص کے منحوس ہونے میں کیا شک ہو سکتا ہے اور ایسا شخص جن معاشی پریشانیوں میں گرفتار ہوتا

ہے وہ کس سے پوشیدہ ہیں یہ ایک بہت سخت بات ہے جس سے عام دنیا غافل ہے۔ حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ لعنت ہو اس قوم پر جسے خدا کی قسموں پر بھی اعتبار نہ آیا' ملائکہ نے کہا ہلاکت ہو ابن آدم کے لئے کہ اس نے رب کو غصے کیا یہاں تک کہ اس نے رزق دینے کی قسم کھائی۔ انسان کی بہتری اور بھلائی صرف اسی بات میں ہے کہ وہ تمام نام نہاد خداوؤں کو چھوڑ کر صرف اور صرف ایک اللہ کو اپنا رب تسلیم کرلے اور دنیا و آخرت کی فلاح کا سامان کرلے۔

نمبر3

فلک نے ان کو عطا کی ہے خواجگی کہ جنہیں
خبر نہیں ' روش بندہ پروری کیا ہے

علامہ اقبالؒ کے اس شعر کا مطلب دو طرح لیا جاسکتا ہے' علامہ اقبالؒ اس شعر میں اپنے خالق سے شکوہ کرتے ہیں کہ خدا تعالیٰ نے ایسے نااہل اور ظالم انسانوں کو مسند اقبال پر بٹھادیا ہے کہ وہ انسانیت سے بالکل بے بہرہ ہیں اور انسانیت کی ان کی نظر میں کوئی قدر و منزلت نہیں ہے' آج کے دور کے مطابق اگر اس شعر کو لیا جائے تو بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ اقتدار کی مسندوں پر نااہل اور ناانصاف انسانوں نے قبضہ جما رکھا ہے' ان کو صرف عیش و عشرت سے سروکار ہے' اپنی رعایا کی فلاح' بہتری اور بھلائی ان کے پیش نظر بالکل نہیں ہے۔ جو بھی حکمران بن کر آتا ہے وہ دوران اقتدار لوٹ کھسوٹ سے مال جمع کرتا ہے اپنے عزیز و اقارب کو پالتا ہے' ملکی وسائل کو اپنے باپ دادا کی جاگیر سمجھ کر بے جا استعمال کرتا ہے اور انسانیت کی تمام حدود و قیود کو پھلانگ جاتا ہے۔ حالانکہ اگر وہ سمجھے تو جس کسی کے پاس جتنا بڑا عہدہ ہوتا ہے اتنی ہی اس پر زیادہ ذمہ داری اور فرائض کی تکمیل ہوتی ہے' ہر حکمران کو حضرت عمر فاروقؓ کی اس بات کو مدنظر رکھ کر حکمرانی کرنی چاہیے' انہوں نے فرمایا تھا کہ "اے عمر! اگر تمہاری قلمرو میں فرات کے کنارے بکری کا بچہ بھی بھوکا پیاسا رہ گیا تو قیامت کے روز تمہاری بازپرس ہوگی" لیکن یہاں تو معاملہ ہی بالکل الٹ

ہے ' یہاں تو انسان بھوک و افلاس کے عذاب میں مبتلا ہیں مگر حکمرانوں کو اپنی عیاشیوں سے فرصت ہی نہیں ملتی کہ وہ غریب اور مظلوم رعایا کا حال معلوم کریں۔

دوسرا اس شعر کا مطلب ایسے بھی لیا جا سکتا ہے کہ اقبال نے اس شعر میں بادشاہوں کے طرز عمل پر تنقید کی ہے کہ یہ لوگ عموماً" نااہلوں کو مراتب عالیہ عطا کرتے ہیں اور جو اشخاص فی الحقیقت عزت کے مستحق ہیں ان سے بے اعتنائی کا برتاؤ کرتے ہیں کہ اس کی وجہ یہ ہے صاحب کمال خوشامد کے فن سے ناآشنا ہوتا ہے اس لئے عزت و جاہ سے محروم رہتا ہے جیسے کہ آج کل ہو رہا ہے۔ ہر آنے والی حکومت اعلان کرتی ہے نوکریاں اور عہدے میرٹ پر دئے جائیں گے لیکن ہم نے آج تک میرٹ کا نام استعمال ہوتے ضرور سنا ہے اس پر عمل ہوتے نہیں دیکھا۔

نمبر4

فقط نگاہ سے ہوتا ہے فیصلہ دل کا

نہ ہو نگاہ میں شوخی تو دلبری کیا ہے!

اگر کوئی شخص دوسرے کے دلوں پر حکومت کرنا چاہتا ہے تو اسے لازم ہے کہ اپنی نگاہ میں شوخی یا دلبری کی شان پیدا کرے 'کیونکہ دل کا فیصلہ عموماً" نگاہ سے ہوتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جب تک کسی کی شخصیت میں دلکشی نہ ہو لوگ اس کے گرویدہ نہیں ہو سکتے علامہ اقبال ؒ نے اس شعر میں ظاہری نگاہ کی بات نہیں کی بلکہ باطنی نگاہ کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے جیسے ایک جگہ انہوں نے واضح فرمادیا کہ

ظاہر کی آنکھ سے نہ تماشا کرے کوئی

ہو دیکھنا تو دیدہ دل وا کرے کوئی

علامہ اقبال ؒ کا سارا کلام ہی تصوف پر مشتمل ہے اس کلام کی سمجھ کسی ولی کامل کی صحبت میں بیٹھے بغیر نہیں آسکتی علامہ فرماتے ہیں

راز حرم سے شائد اقبال باخبر ہے

ہیں اس کی گفتگو کے انداز محرمانہ

جس نگاہ کی بات علامہ اقبالؒ نے کی ہے وہ صرف اور صرف کسی مردمومن کی توجہ سے بیدار ہوتی ہے۔

• نہ تخت و تاج میں ہے نہ لشکر و سپاہ میں ہے
جو بات مرد قلندر کی بارگاہ میں ہے

جب کسی کی باطنی نگاہ بیدار ہوتی ہے تو پھر انسان برائیوں سے خودبخود اجتناب کرنے لگتا ہے۔

حسد، تکبر، ہوا و حرص، طمع اور بے جا نفسانی خواہشات کی پیروی کرنے سے اس کو نجات مل جاتی ہے، اس انسان کو ہر وقت ہر چیز میں مالک حقیقی کا جلوہ اور حسن نظر آتا ہے۔ اس کے اندر سے تمام فتنے اور برائیاں ختم ہو جاتی ہیں اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں ارشاد فرمایا ہے:۔

(کیا تو نے اس شخص کو دیکھا ہے کہ جس نے اپنی خواہش نفسانی کو ہی اپنا حاکم بنا لیا ہو اور باوجود یہ جانتے ہوئے بھی کہ اس دنیا میں خدا کے سوا کوئی سردار یا حاکم نہیں۔ خدا نے اس کو گمراہ کر دیا ہو اور اس کے علم کے تینوں مصدروں یعنی کان اور آنکھ پر پردہ ڈال دیا ہو اور دل پر مہر لگا دی ہو تو کیا ایسے شخص کو خدا کے بعد کوئی ہستی راہ دکھا سکتی ہے؟ کیا تم اس سے عبرت نہیں پکڑتے)

گویا سمع، بصر اور قلب کا استعمال کر کے فطرت کا علم حاصل نہ کرنا شرک اور گمراہی ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں (بے شک تم ہماری حفاظت اور نگاہ میں ہو) جو انسان خدا کی نگاہ میں ہوتا ہے وہ ہر دکھ، مصیبت اور پریشانی سے بے نیاز رہتا ہے بظاہر اس کو ہزاروں دکھ بھی آئیں تو ایک بھی محسوس نہیں ہوتا

دل بینا بھی کر خدا سے طلب
آنکھ کا نور دل کا نور نہیں

بتان وہم و گماں

رحمت اللہ شاہ

صلیبی جنگیں تاریخ میں بہت مشہور ہیں۔ صلیبی جنگوں کے عیسائی ہیرو رچرڈ سوم نے ایک مرتبہ سلطان صلاح الدین ایوبی سے ملاقات کی اور سلطان پر اپنی طاقت ' تلوار کی مضبوطی اور تیزی کا رعب جمانے لگا۔ اس نے دو سٹولوں پر لوہے کا ایک سریا رکھا اور تلوار کا اتنا طاقتور وار کیا کہ سریا کٹ گیا۔ رچرڈ نے کہا "یہ عیسائیت کی طاقت ہے"

صلاح الدین ایوبی نے اپنی تلوار نکالی اور ریشمی رومال ہوا میں اچھال کر تلوار کا وار کیا اور رومال دو حصوں میں کٹ گیا' سلطان صلاح الدین ایوبی نے کہا "یہ اسلام کی نفاست ہے"۔

اصل بات یہ ہے کہ ہوا میں اچھالے گئے کپڑے کو نہ تو ہر فرد کاٹ سکتا ہے اور نہ ہی یہ کپڑا ہر تلوار سے کٹ سکتا ہے' اس کے لیے تلوار بہت تیز اور سپاہی ماہر تیغ زن ہونا ضروری ہے۔

بہت سی چاہتیں' بہت سی محبتیں ہیں کہ جن میں انسان نے خود جان بوجھ کر اپنے آپ کو مبتلا کر رکھا ہے۔ کہیں یہ چاہت مال کی ہے' کہیں یہ چاہت رزق کی ہے اور ایک نہ ختم ہونے والا رزق مگر جو اس دنیائے فانی میں ہی مل جائے اور سدا اس کا کھلائے اس دنیا میں کہ جو محض ایک ساعت ہے اور جو بنی ہی مٹ جانے کے لیے ہے۔ یہ محبت مال' اولاد' دولت' عزت و حشمت' شان و شوکت' اقتدار و جاہ و جلال کی محبت ہے' یہ دنیا سے پیار اور محبت جب جنوں کی حد تک جا پہنچی تو انسان نے اسے خدا بنالیا' اس کی پوجا شروع کر دی اور مالک حقیقی اور اس کے احکامات کو بھلا دیا' پھر اللہ نے بھی ان کو ان کے نفس بھلا دیے۔ یہ سب وہم و گماں کے بت قرار پائے۔

یہ مال و دولت دنیا یہ رشتہ و پیوند
بتان وہم و گماں لا الہ الا اللہ

ایک مسلمان ہونے کے ناطے ہم اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ ہمیں مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونا ہے، اللہ کے ہاں جواب دینا ہے۔ ہر اس نعمت کا حساب دینا ہے کہ جو ہمیں میسر آئی، جسے ہم نے بلواسطہ یا بلاواسطہ استعمال کیا۔ اس بات کا بھی جواب دینا ہے کہ اسے اپنے کام میں لانے کے بعد اللہ کا شکر ادا کیا یا ناشکری کی۔

یہ مال و دولت جو اللہ نے ہمیں عطا کیا، اس کے ذریعے سے ہمیں آزمایا، اب ہم اس (مال) کے ساتھ کیا سلوک کرتے ہیں۔ اس مالک دو جہاں نے مطلع کر دیا کہ تم میری راہ میں خرچ کرو میں تمہیں عطا کروں گا۔ کہیں وہ یہ کہتا ہے کہ میرے ساتھ تجارت کرو میں تمہیں اس کے بدلے میں جنت دوں گا، اس کی محبت کا تو یہ عالم ہے کہ اس دنیا میں بھی مال میں بہت زیادہ برکت ڈال دیتا ہے جو کبھی ختم ہونے میں ہی نہیں آتا۔ رزق کا وعدہ کر رکھا ہے کہ میں تمہیں رزق دوں گا۔ اللہ تعالیٰ انسان کو براہ راست قرآن کے ذریعے خطاب کرتا ہے، وہ یہ کہتا ہے کہ میں ہی مالک ہوں تمام خزانوں کا جو کائنات کی وسعتوں میں پوشیدہ ہیں یا ظاہر ہیں۔

دوسری طرف جب دیکھا جائے تو کیسا مایوسی کا عالم ہے، کیسی شرمناک تصویر ہے جو ہمارے سامنے ہے، یہ کسی غیر مسلم کا تذکرہ نہیں بلکہ ہماری ہی تصویر ہے، ہماری کارکردگی ہے جسے دیکھ کر آج ہم اپنے آپ کو اس سے دور کر لیتے ہیں لیکن وہ وقت بھی دور نہیں جب ہمارے ہاتھ میں ہی مصوری اور ہماری ہی خطاطی تھما دی جائے گی اور پھر فیصلہ سنا دیا جائے گا۔ حقیقت سب پر عیاں ہو گی کوئی ذرہ برابر بھی انکار نہ کر پائے گا۔

اللہ نے انسان کو مال عطا کیا، اس نے اسے محفوظ کر لیا، ہزار ہا مواقع آئے لیکن کیفیت یہ کہ یہ تو میرا ہے اس میں کسی کا کیا حصہ ہو سکتا ہے؟ کسی سائل نے سوال کیا، کسی ضرورت مند نے طلب کیا، کسی محتاج نے، مسکین، یتیم، غرض سائل نے سوال کیا، لیکن یہاں سکوت طاری رہا، انکار کر دیا، سرکشی کی۔ مزید مال کی طلب کی لیکن اس نے اپنا دست شفقت قائم رکھا۔

اللہ کے رسول ﷺ نے بھی واضح طور پر کہہ دیا کہ انسان کا مال تو وہ ہے جو اس نے کھا کر فنا کر دیا یا پہن کر خرچ کیا یا اگلی زندگی کے لیے بھیجا اور لالچ، ہوس کے بارے میں بھی بتا دیا کہ اگر آدم زادے کو سونے سے بھری ہوئی ایک وادی دے دی جائے تو پھر بھی وہ دوسری کی خواہش کرے گا۔

اللہ نے تو انسان کو جو مال دیا اس کے لیے "خیر" کا لفظ استعمال کیا لیکن انسان نے شر کیا۔ اللہ کو چھوڑ کر مال کو خدا بنایا اور یہ انسان کا "وہم و گماں کا وہ بت" بنا جس کی اس نے پوجا کی اور کر رہا ہے۔

یہ دنیا کی پوجا، دنیا کی پرستش اور اس کی ایک ایک چیز سے اس قدر محبت کہ جیسے وہ ہمیشہ کے لیے ساتھ دے گی۔ یہ شان و شوکت، یہ ماں باپ، بہن بھائی، عزیز و اقارب، یہ پیارے پیارے رشتے ناطے، یہ محبت و الفت، یہ زندگی، یہ جاہ و جلال اور ستم در ستم یہ کہ ان سے اس قدر لگاؤ کہ اللہ کا تصور بھی بڑی دیر بعد آتا ہے۔

اللہ نے ایک مرتبہ نہیں بارہا کہہ دیا ہے کہ یہ دنیا کی زندگی بس دھوکے کا سماں ہے، یہ دنیا تو بس کھیل ہے اور تماشا ہے، اصل زندگی تو اس کے بعد آئے گی، یہ دنیا تو آزمائش ہے۔ یہی پیغام حضور ﷺ نے بھی ہم تک پہنچا دیا ہے، واضح کر دیا ہے کہ یہ دنیا آخرت کی کھیتی ہے، اخروی زندگی ہی نا ختم ہونے والی ہے۔

برادران اسلام! آج ہمارے سامنے فرمان خداوندی موجود ہے، سیرت نبوی ﷺ اور سیرت صحابہ کرامؓ موجود ہے۔ ان لوگوں کی سیرت جو ہم سے پہلے گزرے ہیں جن کا وجود اس دنیا میں ویسا ہی تھا جیسے آج ہمارا وجود ہے۔ انہوں نے اسلام کی نفاست کی کیسے علمبرداری کی، آج ہمارے سامنے موجود ہے۔

ایک ماں ہے، گود میں چھوٹا سا بچہ ہے حضور ﷺ کے پاس آئی ہے، ایک ایسے وقت میں آئی ہے کہ جب مسلمان جہاد کی صدا پر اکٹھے ہو رہے ہیں۔ ساز و سامان اکٹھا ہو رہا ہے، جہاد کی تیاریوں میں مصروف عمل ہیں۔ یہ ماں حضور ﷺ سے مخاطب ہے، اپنا بچہ

میدان جہاد کے لیے پیش کرتی ہے کہ جب تیر حضور ﷺ کی طرف آئے تو یہ بچہ ڈھال بن جائے اور اس طرح سے اس ماں کا شیر خوار بچہ میدان جہاد میں کام آئے۔ کہاں گئی اس ماں کی محبت اپنے شیر خوار بچے سے؟ کہاں ہیں ایک ماں کے اپنے بچے کی خوبصورت اور آئیڈیل زندگی کے خواب؟ کہاں ہیں وہم و گماں کے بت؟

حق و باطل کا معرکہ ہے' نوجوان مجاہد کو جنت کی تلاش ہے' یہ سپہ سالار اپنے اللہ کے ہاں اس کے باغ جنت میں سرخرو ہونا چاہتا ہے اسے صرف شہادت کی خواہش ہے یہ کون ہیں؟ یہ حضرت خالد بن ولیدؓ ہیں۔

جب انسان پر موت کا وقت آتا ہے تو بتان وہم و گماں اسے ڈوبتے نظر آتے ہیں۔ یہ انسان ان میں رہنا چاہتا ہے مگر موت ان سے جدا کر دیتی ہے ایک بستر مرگ یہ بھی ہے۔

حضرت خالد بن ولیدؓ بستر مرگ پر ہیں' زار و قطار روئے جا رہے ہیں۔ ان کا رونا کیسا ہے؟ ایک دوست سے مخاطب ہیں' اپنی پیٹھ سے کپڑا اٹھاتے ہیں کہ دیکھو کیا میری کمر پر ایک بالشت سے کم فاصلے پر کوئی دو زخم ہیں۔ جواب انکار کی صورت میں ملتا ہے' پھر سینے سے کپڑا ہٹاتے ہیں اور وہی سوال کرتے ہیں' دیکھنے والا دیکھتا ہے کہ بے شمار زخموں کے نشان ہیں۔ حضرت خالد بن ولیدؓ فرماتے ہیں کہ میں نے ہمیشہ شہادت کی آرزو کی' کفار کی صفوں کو کاٹتا چلا جاتا تھا اور شہادت کا طالب تھا۔ مجھے شہادت نہ ملی اور آج میں ایک بستر پر اونٹ کی طرح جان دے رہا ہوں' سامع نے جواب دیا کہ اے خالدؓ! اللہ کے نبی ﷺ نے تمہیں سیف اللہ کا لقب دیا تھا۔ اللہ کو یہ کیسے گوارا ہے کہ کفار اس کی تلوار کو توڑ دیں' اس بات سے حضرت خالد بن ولیدؓ کی ڈھارس بندھی۔

مسلمان فاتحین جب قیصر و کسریٰ کو شکست دینے کے بعد شہر سے گزرے تو گردنیں اس قدر جھکی ہوئی تھیں کہ بلند و بالا عمارتوں اور شہر کو دیکھ نہ سکے کیونکہ خواتین اور بچے ان کو چھتوں سے دیکھ رہے تھے اور وہ حضور ﷺ کے فرمان کے امین تھے کیسے اوپر دیکھ

فرقہ بندی

حافظ محمد یاسین

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ

"تم سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوط پکڑے رہنا اور متفرق نہ ہونا"

اس آیت مبارکہ کے بعد ضرورت نہیں رہتی کہ اس موضوع پر مزید آیات کا حوالہ دیا جائے کیونکہ اس آیت میں اللہ تبارک نے اپنے بندوں کو حکم دیا ہے کہ فرقہ بندی گناہ ہے، قرآن پاک کی خلاف ورزی ہے اور اس گناہ کے ارتکاب کرنے والوں کو سزا ملے گی۔ اللہ تعالیٰ کا ایک ہی بار کہہ دینا۔ "یوں کرو یوں نہ کرو" بندے کے لیے کافی ہونا چاہیے اللہ تعالیٰ نے فرمادیا کہ جو کوئی رسول اللہ ﷺ کی امت میں آگیا وہ ایک جماعت کا فرد ہو گیا۔

ترجمہ :- بے شک تمہاری امت ایک جماعت ہے۔

اگر امت کا کوئی فرد اس عظیم جماعت کے اندر اپنی جماعت بنائے گا تو یہ گناہ ہو گا۔ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ میرے بعد ایسے قائد ہوں گے جو میرے طریقے سے ہدایت حاصل نہیں کریں گے، نہ ہی میری سنت کو اپنائیں گے۔ ان میں ایسے لوگ بھی سر اٹھائیں گے جو انسانی جسم میں شیاطین کا دل رکھتے ہوں گے۔

اس حدیث سے واضح ہوا کہ جو ایمان لائے وہ مانند ایک جسم کے مربوط ہو گئے اور جس نے اس جسم کا ایک حصہ ہوتے ہوئے اپنا ایک الگ وجود بنالیا وہ مانند شیطان کے ہو گیا۔

بعض علمائے دین کا خیال ہے کہ تفرقہ بازی ایک سزا ہے جو امت رسول ﷺ کو دی گئی ہے کیونکہ امت قرآنی احکامات سے منحرف ہو گئی ہے ایک آیت اس آیت کی تصدیق کرتی ہے۔

ترجمہ :- "کہہ دو کہ وہ (اللہ) قدرت رکھتا ہے کہ تم پر اوپر کی طرف سے یا تمہارے پاؤں کے نیچے سے عذاب بھیجے یا تمہیں فرقوں میں بانٹ دے اور ایک دوسرے کی

لڑائی کا مزہ چکھادے"۔ یہ سزا نہیں تو اور کیا ہے۔ عالم اسلام پر نگاہ ڈالیں ' اس کا شیرازہ بکھر چکا ہے ' اس وقت فرقہ بندی کی سب سے زیادہ سزا بھگتنے والا ملک پاکستان ہے جہاں تفرقہ بازی نے خانہ جنگی جیسی صورت پیدا کر دی ہے۔ آئے دن کسی ایک فرقے کا راہنما کسی دوسرے فرقے کے ہاتھوں قتل ہو جاتا ہے۔ حالانکہ قرآن کریم میں اس آدمی کے لیے دائمی جہنم کی وعید آئی ہے۔ جو کسی مومن کو عمد"ا قتل کرتا ہے۔ اللہ کے نزدیک انسانی جان کی حرمت اتنی عظیم ہے کہ قرآن کریم میں ارشاد فرمایا ہے کہ جس کسی نے ایک انسانی جان کو بچا لیا ہو وہ ایسا محترم ہے جیسے کہ اس نے پوری انسانیت کو بچا لیا ہو۔ اور جس نے کسی ایک انسان کو قتل کر دیا ہو وہ اللہ کے ہاں ایسا مجرم ہے جس نے پوری انسانیت کو قتل کر دیا ہو۔ اللہ تعالیٰ کے آخری رسول ﷺ نے خطبہ حجتہ الوداع میں ارشاد فرمایا۔ "تمہارا خون ' تمہارا مال اور تمہاری آبرو تا قیامت اس طرح محترم ہے جس طرح یہ دن اس مہینہ میں اور اس شہر میں محترم ہے اور ہاں میرے بعد گمراہ نہ ہو جانا کہ خود ایک دوسرے کی گردنیں مارنے لگو تم کو اللہ کے سامنے حاضر ہونا پڑے گا اور وہ تمہارے اعمال کی بازپرس کرے گا"۔ ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی اور تمام مسلمان باہم بھائی بھائی ہیں۔

یاد رکھئے کہ مسلمان ایک ملت ہیں اور کلمہ طیبہ پڑھ لینے والے سب لوگ ایک بدن کے اعضاء کی طرح ہیں۔ رسول خدا ﷺ نے ارشاد فرمایا "سب مومن ایک جسم کی مانند ہیں" جسم کے ایک حصے کو تکلیف لاحق ہوتی ہے تو سارا جسم بیماری میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ جب تک کوئی فرد رسول کریم ﷺ کو اپنا ھادی اور آخری نبی مان رہا ہے وہ آپ کا بھائی ہے آپ کے خیال میں اگر کوئی فرد راہ راست سے بھٹکا ہوا ہے یا اس کے مسلک کو آپ غلط تصور کرتے ہیں تو پیار و محبت سے سمجھانے کی کوشش کریں۔ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ' مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے دوسرے مسلمان بھائی محفوظ رہیں۔ ایک مسلمان کی زبان سے کوئی ایسا لفظ نہیں نکلنا چاہیے جس سے کسی دوسرے مسلمان بھائی کی دل آزاری ہو اور نہ ہی اس کے ہاتھوں سے کوئی ایسا کام سرزد ہونا چاہیے خواہ وہ عملی ہو یا تحریری شکل میں ' جس سے کسی دوسرے مسلمان کا دل دکھے۔ اللہ تعالیٰ تو انسانی جان کی

حرمت کے بارے یوں فرماتے۔ حضور سرور کونین ﷺ نے مسلمانوں کو جو درس دیا ہے وہ یہی ہے کہ ہمیشہ امت واحدہ ہونے کا عملی نمونہ پیش کریں اور یہ صرف اس صورت میں ممکن ہے کہ جب تمہارا ظاہر و باطن بلکہ ہر عمل قرآن اور میری سنت کے تابع نہ ہو جائے۔ مسلمان تو امن و امان، محبت و خدمت اور رواداری کا مظہر ہوتا ہے انہی خصوصیات کی بدولت امت مسلمہ کو باقی ادیان کی ماننے والی اقوام کے مقابلے میں بارگاہ رب العزت سے خصوصیات سے نوازا گیا ہے۔ رسول کریم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے نمونہ بنا کر بھیجا ہے جیسا کہ خدا تعالیٰ نے قرآن حکیم میں ارشاد فرمایا ہے۔ ”بے شک رسول ﷺ کی ذات تمہارے لیے بہترین نمونہ ہے“ ہماری کامیابی کا دارومدار حضور ﷺ کا اتباع کرنے اور اپنے آپ کو ان کے رنگ میں رنگ لینے میں ہے۔ حضور اکرم ﷺ مسلمان تو مسلمان غیر مسلموں سے بھی انتہائی پیار و محبت سے پیش آتے تھے۔ آپ ﷺ کا دامن رحمت اتنا وسیع تھا کہ پورے عالم انسانی کو اپنے اندر سمیٹے ہوئے تھا اسی دامن رحمت کو ہم نے اتنا تنگ کر لیا ہے کہ اپنے مسلمان بھائی بھی اس سے محروم ہو کر رہ گئے ہیں۔ جو بھی انسان اللہ تعالیٰ کی الوہیت اور حضور ﷺ کی رسالت کو تسلیم کرتا ہے اور ان دونوں امور میں کسی کو شریک نہیں ٹھہراتا تو وہ جیسا بھی ہے آپ کا بھائی ہے اگر کوئی بھائی غلطی پر ہو تو اسے اس کے فرمان کے مطابق حکمت اور پیاری پیاری نصیحتوں کے ذریعے سمجھانا چاہیے۔ دنیا میں انسانوں کے صرف اور صرف دو گروہ ہیں جو لوگ اللہ کی الوہیت اور ربوبیت پر ایمان رکھتے ہیں، اس کی محبت اور اطاعت کی راہ پر چلتے اور بنی نوع انسان کی خدمت کو رضائے الٰہی کا ذریعہ جانتے ہیں، قرآن انہیں اہل ایمان، اولیاء اللہ اور حزب اللہ کے نام سے پکارتا ہے۔ ان کی ساری صلاحیتیں بنی نوع انسان کی اصلاح اور فلاح کے لیے وقف ہوتی ہیں۔ ان کے برعکس دوسرے گروہ کو اہل کفر، اولیاء الشیطان اور حزب الشیطان کا نام دیتا ہے۔ یہ لوگ اپنی ذہانت اور قوت سے یہ کام لیتے ہیں کہ انسانیت کو قوموں اور طبقوں میں تقسیم کر کے انہیں لڑایا جائے اور کمزور قوموں کو اپنا غلام بنا کر ان کا استعمال کیا جائے، یہ لوگ انسانیت کے بدترین دشمن ہیں۔ اب یہ فیصلہ آپ کو کرنا ہے کہ آپ حزب اللہ میں شامل

ہونا پسند کریں گے یا حزب الشیطان میں۔

فرقہ بندی کے مہلک نتائج بیان ہو چکے ' اس کا ایک نقصان تو بہت ہی خطرناک ہے وہ یہ ہے کہ فرقہ بندی اخوت کو ختم کر دیتی ہے لہذا فرقہ بندی کے ساتھ اخوت کا ذکر لازمی ہے۔ یہ اخوت کا ہی کرشمہ تھا کہ کیسی کیسی ہیبت ناک جنگی طاقتیں اسلام کے خلاف اٹھیں اور یوں تباہ و برباد ہو گئیں جس طرح کوئی دیوانہ دیوار سے ٹکریں مار مار کر اپنا سر پھوڑ لے اور ختم ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ آل عمران میں ارشاد فرمایا۔

"کہ مسلمان ایک ہی جماعت رہیں"

یہود و نصاریٰ اور ہندو نے ہمیشہ کوشش کی کہ مسلمانوں کے اتحاد اور جذبہ اخوت کو توڑا جائے۔ ان اسلام دشمن عناصر نے مسلمانوں کی اخوت کے کرشمے دیکھے تھے۔ یہ قوم ' قرآن کے الفاظ میں سیسہ پلائی ہوئی دیوار تھی جو قوت بھی اس سے ٹکرائی وہ پاش پاش ہو گئی۔ مگر آج دنیائے کفر اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئی ہے۔ وہ صرف اس لیے کامیاب ہوئے ہیں کہ مسلمان قرآن اور احادیث کے یہ احکام فراموش کر بیٹھے ہیں کہ مسلمان جہاں کہیں بھی ہوں وہ ایک عظیم مسلم برادری کا فرد ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا کہ " مومن تو آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ اپنے دو بھائیوں میں صلح کرا دیا کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ اللہ تم پر رحمت کرے"

حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ایک مومن دوسرے مومن کے لیے اس عمارت کی مانند ہے جس کا ایک حصہ دوسرے حصے کو تقویت پہنچاتا ہے۔ ایک اور حدیث مبارک میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ' مسلمانوں پر لازم ہے کہ ایک دوسرے کے دکھ درد میں شریک ہوں بالکل ایسے جیسے درد سر سارے جسم کو تکلیف میں مبتلا کر دیتا ہے۔

مسلمانوں کو آپس میں محبت کرنے اور ایک دوسرے کی مصیبت میں کام آنے کی ترغیب دیتے ہوئے حضور رحمتہ اللعلمین ﷺ نے ارشاد فرمایا:۔

"وہ شخص جو اپنے (مومن) بھائی کے ساتھ اس کی ضرورت پوری کرنے کے لیے جائے اس کا یہ فعل اس سے بہتر ہے۔ کہ وہ میری مسجد میں دو ماہ تک اعتکاف میں بیٹھے"

حضرت ابو ہریرہؓ کے حوالے سے مرفوع حدیث مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ایک دوسرے سے حسد و بغض نہ کرو، بلا مقصد آپس میں اشیاء کی قیمتیں نہ بڑھاؤ اور نہ ہی ایک دوسرے کی غیبت کرو اور نہ تم میں سے کوئی کسی سودے پر سودا کرے۔ اللہ کے بندو بھائی بھائی بن جاؤ۔ مسلمان مسلمان کا بھائی ہے۔ نہ وہ اس پر ظلم کرتا ہے اور نہ اسے رسوا کرتا ہے اور نہ اسے حقیر جانتا ہے ایک انسان کے لیے یہ برائی کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو حقیر سمجھے۔ مسلمان کا مسلمان پر خون، مال اور عزت حرام ہے۔

حضرت انسؓ کے حوالے سے مرفوع حدیث مروی ہے:

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا تم میں سے کوئی اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک وہ اپنے بھائی کے لیے وہی چیز پسند نہ کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے۔ موجودہ ملکی اور بین الاقوامی حالات کے پیش نظر اسلام کی کھوئی ہوئی عظمت بحال کرنے کے لیے اخوت اور محبت پر جس قدر بھی زور دیا جائے اتنا ہی کم ہے۔

اب وقت کا تقاضہ ہے کہ مسلمان اسلام کی اصل روح کو سمجھیں اور اپنے آپ کو دامن مصطفیٰ سے وابستہ کرتے ہوئے اپنی ذمہ داریوں کا احساس کریں اور ایک دوسرے کی تکفیر کرنے کی بجائے اپنی تمام صلاحیتوں کو امت مسلمہ کی اصلاح و فلاح اور قوت و شوکت کے حصول کے لیے وقف کردیں۔

کسی شاعر نے اہل وطن کے حسب حال نصیحت کرتے ہوئے کیا خوب لکھا ہے =

بچو فرقہ بندی کی خو سے بچو
تعصب کی ہر گفتگو سے بچو
اخوت کی طاقت سے اہل وطن
بڑے فتنہ پرور عدو سے بچو

وضو کے مستحبات

حافظ محمد یاسین

یعنی وہ آداب جن کا اہتمام کرنا وضو میں مستحب ہے۔

(1) کسی ایسی اونچی جگہ پر بیٹھ کر وضو کرنا کہ پانی بہہ کر اپنی طرف نہ آئے اور جسم و لباس پر چھینٹیں بھی نہ پڑیں۔

(2) وضو کرتے وقت قبلہ کی طرف رخ کرنا۔

(3) وضو میں دوسرے کی مدد نہ لینا یعنی خود ہی پانی لیا جائے اور خود ہی اعضاء دھوئے جائیں۔

(4) داہنے ہاتھ سے کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا۔

(5) بائیں ہاتھ سے ناک صاف کرنا۔

(6) پیر دھوتے وقت دائیں ہاتھ سے پانی ڈالنا اور بائیں ہاتھ سے ملنا۔

(7) اعضاء دھوتے وقت مسنون دعائیں پڑھنا۔

(8) اعضاء کو دھوتے وقت اچھی طرح مل مل کر دھونا تاکہ کوئی حصہ خشک بھی نہ رہ جائے اور میل کچیل بھی خوب صاف ہو جائے۔

وضو کے مکروہات

وضو میں 9 باتیں مکروہ ہیں جن سے بچنا چاہیے۔

1 وضو کے آداب اور مستحبات کو ترک کرنا یا ان کے خلاف کرنا۔

2 ضرورت سے زیادہ پانی صرف کرنا۔

3 اتنا کم پانی استعمال کرنا کہ اعضاء کے دھونے میں کوتاہی کا اندیشہ ہو۔

4 وضو کے دوران بلا وجہ ادھر ادھر کی باتیں کرنا۔

5 چہرے پر زور زور سے چھپکا مارنا اور اسی طرح دوسرے اعضاء پر زور زور سے چھینٹیں مارنا اور دھونے میں چھینٹیں اڑانا۔

6 تین تین مرتبہ سے زیادہ اعضاء کو دھونا۔

7 نئے پانی سے تین بار مسح کرنا۔

8 وضو کے بعد ہاتھوں کا پانی چھڑکنا۔

9 کسی عذر کے بغیر ان اعضاء کا دھونا جن کا دھونا وضو میں ضروری نہیں ہے۔

جبیرہ اور زخم وغیرہ پر مسح

1۔ ٹوٹی ہوئی ہڈی پر کھپچی رکھ کر پٹی باندھی گئی ہو یا پلاسٹر چڑھایا گیا ہو۔ اور اس عضو کو دھونا وضو میں ضروری ہو تو اس صورت میں پٹی کے اوپر صرف مسح کر لینا کافی ہے۔

2۔ زخم پر پٹی بندھی ہو یا پھایا لگا ہوا ہو اور پانی پہنچنے سے نقصان کا اندیشہ ہو تو صرف مسح کر لینا کافی ہے اور اگر مسح کرنا بھی مضر ہو تو وہ بھی معاف ہے۔

3۔ اگر زخم کی نوعیت کچھ ایسی ہے کہ جو پٹی باندھی گئی ہے اس کے درمیان میں جسم کا ایسا حصہ ہے جو صحیح سالم ہے اور پٹی کھولنے یا کھول کر اس حصے کو دھونے میں نقصان کا اندیشہ ہے تو اس حصے پر بھی مسح کر لینا کافی ہے۔

4۔ چوٹ یا زخم پر بندھی ہوئی پٹی کھول کر اس حصہ جسم کو دھونے میں کوئی نقصان کا اندیشہ تو نہیں لیکن پٹی اس انداز کی ہے کہ کھول کر خود باندھنا ممکن نہیں اور کوئی دوسرا باندھنے والا بھی نہیں ہے تو ایسی صورت میں مسح کرنے کی اجازت ہے۔

5۔ پٹی کے اوپر اگر دوسری پٹی باندھ دی جائے تو اس پر بھی مسح کرنا جائز ہے۔

6۔ اگر کسی عضو پر چوٹ یا زخم ہو اور پانی لگنا مضر ہو تو مسح کر لینا کافی ہے۔

7۔ اگر چہرہ یا ہاتھ پھٹ گئے ہوں یا کسی عضو میں درد ہو اور پانی لگنا مضر ہو تو مسح کرنا کافی ہے اور اگر مسح کرنا بھی مضر ہو تو پھر مسح بھی نہ کرے۔

8- اگر ہاتھ پیر پھٹنے کی وجہ سے اس میں موم یا وائسلین وغیرہ بھر لیا ہو یا کوئی دوا بھرلی ہو تو اس پر صرف پانی بہالینا کافی ہے۔ وائسلین وغیرہ کا نکالنا اور ہٹانا ضروری نہیں اور اگر پانی ڈالنا بھی مضر ہو تو پھر صرف مسح کافی ہے۔

9- زخم یا چوٹ پر لگی ہوئی دوا یا پھایہ پر پانی بہایا یا مسح کیا اور اس کے بعد یہ دوا یا پھایہ چھوٹ گیا یا چھڑا لیا گیا اور زخم اچھا ہو گیا تو اب اس عضو کا دھونا ضروری ہے، کیا ہوا مسح ختم ہو جائے گا۔

☆ کن چیزوں پر مسح کرنا جائز نہیں:-

1 ہاتھ کے دستانوں پر

2 ٹوپی پر

3 سر پر بندھے ہوئے مفلر یا عمامے پر

4 دوپٹے یا برقعے پر۔

نواقض وضو

☆ جن چیزوں سے وضو ٹوٹتا ہے ان کی دو قسمیں ہیں

1 ایک وہ جو جسم کے اندر سے خارج ہوں۔

2 دوسرے وہ جو خارج سے آدمی پر طاری ہوں۔

پہلی قسم

1- پاخانہ پیشاب خارج ہونا۔

2- پیچھے کے حصے سے ہوا کا خارج ہونا۔

3- پاخانہ یا پیشاب کے مقام سے کسی اور چیز کا نکلنا مثلاً" خون، کیڑا، مذی وغیرہ کا نکلنا۔

4- بدن کے کسی حصے سے خون نکل کر بہہ جانا۔

5۔ تھوک یا بلغم کے علاوہ ، خون ، پیپ ، غذا یا کوئی اور شے قے میں نکلے اور قے منہ بھر کر ہو۔

6۔ اگر قے منہ بھر کر نہ ہو لیکن تھوڑی تھوڑی کئی بار ہو جائے اور اس کی مقدار منہ بھر قے کے برابر ہو تو وضو ٹوٹ جائے گا۔

7۔ اگر تھوک میں خون آجائے اور خون کا رنگ تھوک پر غالب ہو تو وضو ٹوٹ جائے گا۔

8۔ بغیر شہوت کے منی نکل آئے مثلاً" کسی نے بوجھ اٹھایا ، یا کوئی اونچی جگہ سے گرا اور اس صدمے سے اس کی منی نکل پڑی تو وضو ٹوٹ جائے گا۔

9۔ اگر آنکھوں میں کوئی تکلیف ہو اور اس سے میل کچیل یا پانی بہے تو اس سے وضو ٹوٹ جائے گا۔ البتہ جس شخص کی آنکھ سے یہ پانی مسلسل بہتا ہو وہ معذور سمجھا جائے گا ۔

10۔ کسی خاتون کی چھاتی سے درد اور تکلیف کی وجہ سے دودھ کے علاوہ کچھ پانی وغیرہ نکلے تو اس سے بھی وضو ٹوٹ جائے گا۔

11۔ استحافہ کا خون آنے سے بھی وضو ٹوٹ جاتا ہے اور اسی طرح مذی نکلنے سے بھی وضو ٹوٹ جاتا ہے۔

12۔ جن چیزوں سے غسل واجب ہوتا ہے ان سب سے وضو بھی لازماً" ٹوٹ جاتا ہے مثلاً" حیض و نفاس اور منی وغیرہ

دوسری قسم انشاءاللہ آئندہ بیان کی جائے گی۔

(ماخوذ از "آسان فقہ")

"تربیت مسلم"

محمد یونس ہاشمی

حضور ﷺ دہر میں آسودگی نہیں ملتی
تلاش جس کی ہے وہ زندگی نہیں ملتی
ہزاروں لالہ و گل ہیں ریاض ہستی میں
وفا کی جس میں ہو بو وہ کلی نہیں ملتی

کسی عمارت کی تکمیل کرنے کے لیے افراد سے رابطہ کیا جاتا ہے اور سب سے پہلے نقشہ نگاری کے مرحلہ سے گزرنے کے بعد اس عمارت کی بنیاد پر توجہ دی جاتی ہے اور ہر ممکن کوشش کی جاتی ہے کہ ماہر انجنیئر کو اس کام کے لیے منتخب کیا جائے۔ اگر بنیاد درست پڑ جائے تو عمارت اپنی تکمیل تک درست ہی رہے گی اور اگر بنیاد میں ہی کوئی سنگین کمی رہ جائے تو عمارت کسی بھی وقت نقصان سے دوچار ہو سکتی ہے۔ بنیاد کے مرحلہ کی بعد اس کے تکمیل تک مختلف افراد سے مشاورت و معاونت کی جاتی ہے۔ آج کل پاکستان میں مسلمانوں کو جو مسائل درپیش ہیں ان میں سب سے پہلے تو یہ ہے کہ ہمارے معاشرے میں غیر مذہبی یعنی نام کے مسلمان ہی رہ گئے ہیں اور جو مذہب اسلام کی سچائی جاننا اور عمل کرنا چاہتے ہیں ان کو اس طرح مس گائیڈ کیا جا رہا ہے کہ ہمارے مسلمان بھائی بھی مذہب سے منہ موڑ رہے ہیں۔ فرقہ واریت نے ہمارے اندر کے مسلمان کو کھوکھلا کر دیا ہے۔ چونکہ ہماری زیادہ تر آبادی ان پڑھ ہے اور وہ قرآن و حدیث کا اتنا علم نہیں رکھتے اور مکمل انحصار اپنے قریبی امام مسجد پر کرتے ہیں تو جو تعلیم امام صاحب دیتے ہیں اسی کے پیروکار ہو جاتے ہیں۔ اور ہر مسلک کا امام سب سے پہلے ان لوگوں پر مسلک کی مہر لگاتا ہے پھر ان کو اسی شاہراہ کی ساری عمر سیر کرواتا ہے۔ اور دوسرے مسلک کے خلاف ان کے دلوں میں اس قدر نفرت کے جذبات پیدا کرتا ہے کہ مسلمان اپنے مسلمان بھائی کا جانی دشمن بن جاتا ہے اور ایک دوسرے پر کفر کا فتویٰ جاری کرتا ہے۔ چونکہ ہمارے علماء میں سے 90 فیصدی ایسے ہیں جن کی قرآن و حدیث پر کوئی ریسرچ نہیں اور وہ سنی سنائی باتوں کو ہی آگے پھیلا رہے ہیں، اگر ہمارے علماء اللہ اور رسول ﷺ سے محبت کے دعوے دار ہیں تو وہ ایسی احادیث اور

قرآنی آیات سے کیوں بہرہ ور نہیں ہو رہے جو اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ نے محبت و اخوت کے لیے جابجا بیان کی ہیں قرآن میں سورہ الانعام آیت 158

ان الذین فرقود دینھم وکانو شیعا لست منھم فی شی ء ط انما امروھم الی اللہ ثم ینبھم بما کانو یفعلون O

ترجمہ :۔ جنہوں نے راہیں نکالیں اپنے دین میں اور ہو گئے فرقہ فرقہ تجھ کو ان سے کچھ سروکار نہیں ان کا کام اللہ ہی کے حوالے ہے پھر وہی جتلائیگا ان کو جو کچھ وہ کرتے تھے۔

حضرت اسامہ ؓ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ میں نے اور انصار ؓ نے ایک مشرک کو پانی پر گھیر لیا اور جب ہم نیزے لے کر ان کو مارنے پر لپکے تو اس نے کلمہ پڑھنا شروع کر دیا تو انصار ؓ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی آواز سننے کے بعد رک گئے لیکن میں نے اس کو نیزہ مار کر ہلاک کر دیا۔ جب حضور ﷺ کو اس واقعہ کا علم ہوا تو انہوں نے فرمایا اسامہ ؓ کیا تو نے لا الہ الا اللہ کہنے کے بعد مار ڈالا۔ کہا کہ وہ اپنی جان بچانے کے لیے پڑھ رہا تھا تو پھر حضور ﷺ نے فرمایا کیا تو نے لا الہ الا اللہ کہنے کے بعد مار ڈالا کیا تم نے اس کا دل چیر کر دیکھ لیا تھا کہ وہ ظاہری طور پر کلمہ پڑھ رہا ہے یا دل سے۔ حضرت اسامہ ؓ فرماتے ہیں کہ اس وقت مجھے اتنی شرمندگی ہوئی کہ کاش اس سے پہلے مسلمان نہ ہوا ہوتا۔

یہ ہیں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکامات ایک کلمہ گو مسلماں کے لیے اور آج الحمد اللہ ایک مسلمان کے گھر میں پیدا ہونے والے مسلمان جو کہ بچپن ہی سے کلمہ گو ہیں فرقہ پرستی اور تنگ نظری کی وجہ سے قتل کیے جا رہے ہیں۔ چند دن پہلے میرے ایک ملازم کو نماز کے لیے قریبی مسجد میں جانا ہوا چونکہ یہ مسجد اس کے ہم مسلک کی نہ تھی وہاں ایک نوجوان جس کی عمر پندرہ سولہ برس کی ہے نے اس سے پُوچھا کہ آپ یہاں نماز کیوں پڑھنے آئے ہیں تو اس نے کہا یہ مسجد قریب تھی اس لیے۔ تو اس نے فوراً" اس پر کفر کا فتویٰ لگا دیا۔ یہ واقعہ بیان کرنے سے میں یہ واضح کرنا چاہتا ہوں کہ ہماری نوجوان نسل جو تربیت پا رہی ہے اس کو بھی یہ سکھا دیا گیا ہے کہ اپنے مسلک کے علاوہ سب کفر ہے۔

آج اگر ہم اپنی نسل کو صحیح معنوں میں مسلمان و مومن بنانا چاہتے ہیں تو بنیاد ہی

سے اس کو ٹھیک کرنا ہو ۔ علماء کو چاہیے کہ جو بھی طالب علم ان کے پاس قرآن کی تعلیم حاصل کرنے آتے ہیں ان کو فرقہ پرستی اور اپنے ہی مسلک کی تعلیم کو لازم نہ کریں کیونکہ ہمارے چاروں امام (امام ابو حنیفہ، امام شافعی، امام مالک، امام حنبل) کے درمیان تمام اختلافات تعمیری نوعیت کے تھے اور ایک دوسرے کی قرآن و حدیث کی تحقیق کی تعظیم و تعریف کرتے تھے اور اگر کوئی امام کسی دوسرے امام کے شہر میں آتے تو ان کے مسلک کے مطابق ہی نماز اور دیگر عبادات ادا کرتے ۔ وہ ایک دوسرے کی تحقیق پر تنقید نہ کرتے ۔ یہ کہتے کہ میرے علم کے مطابق فلاں مسئلہ اس طرح ہے ۔ یعنی ترجیح دیتے تھے نہ کہ تکفیر کیا کرتے تھے ۔ لیکن آج کیا ہے کہ خالی امام تقسیم کر لیے ہیں لیکن جو ان کا کردار تھا وہ آج کے علماء میں نظر نہیں آ رہا ۔ آج ہمارے نوجوان جب کسی بھی مسلک کے لوگوں میں بیٹھتے ہیں وہ سب سے پہلے ان پر اپنے فرقہ کی مہر ثبت کرتے ہیں اور حد تو یہ ہے کہ اگر کوئی ان کا شاگرد مزید تعلیم کے لیے کسی دوسرے استاد سے رابطہ کرے تو فوراً ناراضگی کا اظہار ہوتا ہے ۔ آپ خود سوچیں کہ اگر کوئی ڈاکٹر ہو تو وہ اس مرض کا علاج کر سکتا ہے جو اس کی سمجھ میں آ رہا ہے ورنہ وہ اسے کسی اچھے سرجن وغیرہ کی طرف (Refer) ریفر کر دیتا ہے ۔ اور اچھا استاد وہی ہوتا ہے جو اپنے شاگرد کی قابلیت کو بڑھتا ہوا دیکھ کر خوش ہوتا ہے ۔ جو استاد صرف میٹرک تک پڑھا سکتا ہے اس کو اب کالج کی تعلیم کے بعد فارغ کر دے ۔ لیکن ہمارے ملک میں جو کسی عالم کے پاس شاگردی میں آ گیا وہ اسی کے قصیدے سناتا ہوا مر جاتا ہے اور اسلام کی مکمل اور لازوال تعلیمات سے بہرور نہیں ہو پاتا ۔ آپ اگر آج سے پہلے کے علماء اور اولیاء اللہ کے حالات زندگی کا بغور جائزہ لیں تو یہ بات آپ کے سامنے عیاں ہو جائے گی کہ انہوں نے مختلف عالم دین اور اولیاء اللہ سے علم و فیض حاصل کیا اور ان کے پہلے راہنماء جب ان کا کورس مکمل کروا دیتے تو مزید اچھے علماء کے پاس بھیجتے تاکہ وہ اسلام کی تعلیمات سے مستفیض ہو جائیں ۔ اور مزے کی بات ہے کہ وہ اپنی تعلیمات کے لیے ایک ملک سے دوسرے ملک کا سفر کرتے اور حضور ﷺ کی حدیث مبارکہ (علم حاصل کرو چاہے تمہیں چین جانا پڑے) پر مکمل عمل پیرا ہوتے ۔ خود ہمارے بانی سلسلہ عالیہ توحیدیہ خواجہ عبدالحکیم انصاری کے مرشد مولانا کریم الدین احمد نے سلوک کی منازل طے کروانے کے بعد ان کو دیدار باری تعالیٰ کی نعمت سے مستفیض ہونے کے لیے ایک اویسی بزرگ کا نام

بتایا (رسالدار محمد حنیف خاں شہید") اور کہا کہ آپ" ان کو تلاش کرلیں۔ آج ضرورت اس بات کی ہے کہ ہمارے علماء پہلے خود اچھی طرح اسلام کی تعلیمات کو تنگ نظری، تعصب کی عینک اتار کر سمجھیں اور اس پر عمل پیرا ہوں پھر تربیت مسلم کی بھاری ذمہ داری ادا کریں ۔ کیونکہ جو آدمی کسی راستہ سے صحیح واقفیت رکھتا ہے وہی کسی دوسرے کو اس کے بارے میں بتا سکتا ہے۔ ہم سب مولانا روم" کو جانتے ہیں کہ ان کی قرآن و حدیث اور فقہ ہر طرح کے علم سے واقفیت تھی لیکن جب حضرت شمس تبریز" سے روحانی فیض اور حقیقت کو دل کی آنکھ سے دیکھ لیا تو بے اختیار پکار اٹھے۔

مولوی ہرگز نہ شد مولائے روم"

تا غلام شمس تبریزی" نہ شد

کہ مولوی روم اس وقت تک مولائے روم نہ بن سکے جب تک کہ حضرت شمس تبریز" کی غلامی یعنی ان سے روحانی فیض حاصل نہ ہوا۔ مولانا روم" ایک پائے کے عالم دین تھے لیکن حضرت شمس تبریز" سے ملاقات نے ان کے اندر اللہ کے عشق کی جو پیاس لگائی اس کی تشنگی کے بعد ہی آپ مولانا روم" بنے۔ اگر پائے کے عالم دین کی یہ حقیقت ہے کہ وہ اپنے علم کو مکمل نہ کر سکے تو آج کے مسلمان چند کتابوں اور ایک ہی فرقہ کی تعلیم سے کیسے مکمل اسلام کو سمجھ سکتے ہیں۔

آخر میں اللہ رب العزت سے یہ دعا ہے کہ مسلمان فرقہ پرستی کو چھوڑ کر آپس میں متحد ہو جائیں اور ہمارے علماء بھی فروعی اختلافات کو چھوڑتے ہوئے محبت اور اخوت کا پرچار کریں (امین ثمہ آمین)

بقول اقبال"

شکتی بھی، شانتی بھی بھگتوں کے گیت میں ہے

دھرتی کے باسیوں کی مکتی پریت میں ہے

(طاقت اور سکون اولیاء اللہ کے پیغام میں ہے اور اس دنیا کی نجات صرف اور صرف محبت اور پیار میں ہے)

نومسلم کا تعارف

مسلیمان شاہد مفسر (امریکہ)

ایک دنیا جانتی ہے کہ امریکہ میں سیاہ فام باشندوں نے "بلیک پاور" کے نام سے کیا طوفان کھڑا کر رکھا ہے تقریبا" تین صدیوں تک یہ لوگ سفید فاموں کے غیرانسانی سلوک اور ظلم و تشدد کا نشانہ بننے کے بعد بالاخر ڈاکٹر مارٹن لوتھر کنگ کی قیادت میں اٹھ کھڑے ہوئے مگر بہت جلد موصوف کی اعتدال پسند رہنمائی سے رسی تڑوا کر مسلح اور انتہا پسندانہ سرگرمیوں پر اتر آئے اور بلیک پینتھر نامی تنظیم کے ذریعے سفید فاموں کے لئے پیغام اجل بن گئے دونوں طرف سے تشدد، قتل اور لوٹ مار کی دوڑ شروع ہوگئی اور پوری امریکی قوم 1965ء سے 1968ء تک پورے تین برس خوف ناک نسلی فسادات سے دوچار رہی جن میں انسانی خون کی ارزانی رہی اور دارلحکومت واشنگٹن میں کچھ حصے جلا کر راکھ کردیئے گئے

اسلام سے میرا تعارف اسی زمانے میں ہوا مجھے شدت سے احساس ہوا کہ دونوں قومیں ایک ہی مذہب، عیسائیت سے تعلق رکھتی ہیں مگر سفید فام عیسائیوں کو برداشت کرنے کے لئے تیار نہیں اور اب ردعمل کے طور پر دوسری جانب بھی یہی کیفیت ہے میں عیسائیت سے بدظن ہوگیا خوش قسمتی سے میری ملاقات مشہور انقلابی ملک الشہباز (میلکم ایکس) سے ہو گئی موصوف اب صحیح العقیدہ مسلمان ہو چکے تھے اور نہایت خلوص اور سرگرمی سے اسلام کی تبلیغ میں مصروف تھے میں ان سے بے حد متاثر ہوا اور یوں میں سوشلزم، کیمونزم یا کیپٹل ازم سے بال بال بچ گیا۔ جملہ مسائل میں سیاہ فاموں کی نظریں ادھر بھی اٹھ رہی تھیں۔

تاہم میں میلکم ایکس کی تحریک میں شامل نہ ہوا ان دنوں میں متذکرہ مسیحی فرقے (BLACKPANTHERS) میں پادری کی حیثیت سے کام کر رہا تھا عیسائیت کو ترک کر کے اسلام قبول کرتے ہوئے طبیعت سخت متذبذب تھی لیکن اسلام پر میرا غور و فکر برابر جاری رہا دوسرے برس میں متذکرہ فرقے سے الگ ہوگیا اس کی وجہ یہ بھی تھی کہ اس میں بے حد غیر عقلی باتیں تھیں مثلا" حضرت عیسی کی آمد کی کئی تاریخوں کا اعلان کیا گیا جسے ہر مرتبہ بدل دیا جاتا تھا روحانی سکون کی خاطر میں یہودیت کے قریب بھی آیا مگر میں نے دیکھا کہ

یہودی زبردست روحانی خلفشاری اور عدم سکون کا شکار ہیں ۔ ہر مقام پر ان کے نسلی تعصبات ابھر آتے اور مجھے یہ اندازہ کرنے میں دیر نہ لگی کہ نسل پرست یورپین یہودی مجھ سیاہ فام کو "مذہبی بھائی" کے طور پر کبھی قبول نہیں کریں گے ۔

مایوس ہو کر میں نے ہر قسم کے مذہب کا خیال دل سے نکال دیا اور ان تحریکوں میں شمولیت اختیار کر لی جو غریب و پسماندہ لوگوں کی دور افتادہ بستیوں میں انسانی خدمات انجام دیتی ہیں لیکن 1967ء میں اصلاحی خدمات انجام دیتے ہوئے ضلع کولمبیا کے جیل خانوں میں میرا اسلام سے دوبارہ تعارف ہوا یہاں بہت سے لوگوں نے ایک نسلی قسم کے فرقہ (BLACK MUSLIMS) کو قبول کر لیا تھا اگرچہ یہ اسلام کی صحیح اور سچی صورت نہیں تھی تاہم بیشتر مسیحی فرقوں کے مقابلے میں یہ لوگ بہتر شہری ثابت ہوتے تھے میں نے بہت سے کالے مسلمان قیدیوں کو دیکھا وہ تمام قیدیوں کے مقابلے میں یہ لوگ بہتر شہری ثابت ہوتے تھے میں نے بہت سے کالے مسلمان قیدیوں کو دیکھا وہ تمام قیدیوں کے مقابلے میں مثالی رویہ کے حامل تھے اور اپنے اندر شریفانہ زندگی گزارنے کا زبردست داعیہ رکھتے تھے

ان دنوں اصلاح و رفاہی خدمات کے ساتھ ساتھ میں سٹاکلی کارمیکائیل کے بلیک یونائیٹڈ فرنٹ کا بھی رکن تھا اور بڑی سنجیدگی سے (BLACK PANTHERS) کے انتہا پسند گروپ میں شمولیت کا ارادہ کر رہا تھا کہ خوش قسمتی سے میری ملاقات ایک ایسے دوست سے ہوئی جسے میں نے کئی برسوں سے نہیں دیکھا تھا میرا یہ دوست بھی ایک زمانے میں (JEHOVAH,SWITNESS) میں مبلغ کی حیثیت سے کام کرتا تھا مگر اب وہ نیکی اور پرہیز گاری کا مجسمہ تھا گفتگو ہوئی تو اس نے زندگی پر بھرپور اور محکم یقین کا اظہار کیا وہ حقیقی آزادی اور سچی خوشی کی نعمت سے مالا مال نظر آتا تھا عام سیاہ فاموں کی طرح اس کے رویے یا باتوں میں دور دور تک مایوسی کا نشان تک نہ تھا قدرتی طور پر میں نے اس کی رجائیت اور مسرت کا راز دریافت کیا کہ یہ نعمت تو اب عنقا ہو کے رہ گئی تھی ۔ اس کا جواب تھا "اسلام" وہ اب راسخ العقیدہ مسلمان تھا اس نے بتایا کہ اسلام قبول کر کے اللہ کی اطاعت قبول کی جائے تو وہ سارے مسائل حل ہو سکتے ہیں جو "بلیک پاور" کبھی حل نہیں کر سکتی ۔

اس نے بڑے اعتماد سے بتایا کہ اللہ کی محبت اور رہنمائی ہر قسم کی نفرت اور تشدد کے مظاہرے سے زیادہ قوی ہے اس نے مجھے واشنگٹن کے اسلامک سنٹر میں آنے کی دعوت دی اور میں نے یہ دعوت بڑے اشتیاق سے قبول کی۔

اور وہ جمعہ کا بڑا ہی مبارک دن تھا جب میں نے پہلے پہل اسلامک سنٹر میں حاضری دی میں سکون اور عظمت کے اس امتزاج کو لفظوں میں بیان نہیں کر سکتا جو اس مقدس اور بے حد پاکیزہ مقام پر چھایا ہوا تھا۔ میں جلال و جمال کے اس حسین پارہ تعمیر سے بھی مرعوب ہوا اور قرآن کا دلنواز لحن بھی میرے دل میں اترتا چلا گیا مگر جس چیز نے مجھے سب سے زیادہ متاثر کیا وہ عبادت کا مسحور کن اور نظم و ضبط کا شاندار مظاہرہ تھا جو آنکھوں کے راستے دل میں اتر گیا میں اکثر سوچا کرتا تھا کہ مساوات کی بنیاد پر کوئی معاشرہ وجود میں آ ہی نہیں سکتا مگر میرا یہ خیال وہم بن کر اڑ گیا تھا آنکھ کے پردوں میں نفرت کا جو احساس رچ گیا تھا وہ یکسر مٹ گیا۔ میں نے سیاہ و سفید، چینی افریقی اور امریکی لوگوں کو بھائیوں کی مانند ایک خدا کے حضور میں ایک جگہ بیٹھے ہوئے دیکھا تو خدا اور انسانیت پر میرا اعتماد بحال ہو گیا میں نے اسلام قبول کر لیا اور اس وقت سے میں دیکھ رہا ہوں کہ اسلام کا نظریہ اخوت کوئی بے جان تصور نہیں ہے بلکہ زبردست عملی قوت ہے اور مسلم سوسائٹی میں ہر جگہ مجھے اس کا تجربہ ہوا ہے صرف یہی نہیں بلکہ اسلام کا ہر شعار مجھے بے حد محبوب ہے میں اللہ کا لاکھ شکر ادا کرتا ہوں کہ اس نے مجھے نسل و رنگ کے اندھیروں میں ڈوبنے سے بچا لیا میری دعا ہے کہ مجھے اللہ تعالیٰ دین حق کی تبلیغ کی توفیق عطا کرے اور میں بنی نوع انسان کو راہ راست کی طرف آنے کی دعوت دیتا رہوں حقیقت یہ ہے کہ امریکہ کے ہر باشندے کو اسلام کی صحیح صورت دکھانے کی ضرورت ہے کہ آج مغرب میں اسلام کو اس کی حقیقی شکل میں نہیں دکھایا گیا آج لوگ عیسائیت اور یہودیت کے بے جان مذاہب سے گھبرا کر ادھر ادھر دیکھ رہے ہیں مگر انہیں کوئی راستہ دکھائی نہیں دے رہا اب وقت آ گیا ہے کہ اسلام کی دعوت حکمت اور جرات سے دی جائے تب یہ امر یقینی ہے کہ مغرب کا مستقبل اسلام سے وابستہ ہے۔

(شکریہ ہم کیوں مسلمان ہوئے:۔ انتخاب محمد یونس ہاشمی

سبق آموز

عیب جوئی

محمد اکرم

حضرت سعدیؒ فرماتے ہیں کہ بچپن میں مجھے عبادت کا بڑا شوق تھا۔ شب بیداری کرتا، تہجد پڑھتا، ساری ساری رات قرآن مجید کی تلاوت میں گذر جاتی۔ ایک رات حسب معمول والد محترم کے ساتھ عبادت میں مشغول تھا اور ہمارے پاس ہی فرش پر پڑے کچھ لوگ سو رہے تھے۔ میں نے ان کی حالت دیکھی تو قبلہ والد صاحب سے عرض کیا کہ ان میں سے کوئی سر نہیں اٹھاتا۔ معبود کی بندگی بجا نہیں لاتا، ایسے سوئے ہوئے ہیں جیسے سانپ سونگھ گیا ہو۔ یہ سن کر والد محترم نے ارشاد فرمایا کہ "خوب ہوتا اگر تو بھی سو جاتا کسی کا عیب تو تیری زبان پر نہ آتا"

نظر آئیں کسی کی خوبیاں نہ خود پسندوں کو
کہ گہرے پردے ہیں چھائے ہوئے ان کے دماغوں پر
تجھے اے دوست گر مل جائے چشم حق بیں اللہ سے
دکھا دے گا تجھ کو سب سے اپنا آپ عاجز تر

حضرت سعدیؒ نے اس حکایت میں یہ تلقین کی ہے کہ عیب جوئی بری عادت ہے، یہ روح کا روگ ہے، اس سے بچنا چاہیے جب کہ تکبر کو مٹانا عبادت کا پہلا مقصد ہے۔

خود احتسابی

ایک مجلس میں شرکائے مجلس ایک بزرگ کی بڑی تعریف کر رہے تھے کہ آپ وہ ہیں، آپ یہ ہیں، آپ ایسے ہیں، آپ ویسے ہیں، کیا بات ہے حضور فیض گنجور کی، آپ سا کوئی دیکھا نہیں زمانے میں، آپ گوہر یک دانہ ہیں، آپ کی عظمت کا کیا ٹھکانہ ہے، اوج ثریا پر اپنا مقام رکھتے ہیں۔ سراہے جانے والے بزرگ نے سر اٹھایا اور فرمایا

اے عزیزان من! میں جیسا ہوں خوب جانتا ہوں "اپنے آپ کو اچھی طرح پہچانتا ہوں۔ من آنم کہ من دانم

دکھاؤ دل نہ یہ کہہ کر کہ تم نیکی کے پتلے ہو
کہ ظاہر دیکھتے ہو تم کو باطن کی خبر کیا ہے
میرا وجود سب کی نظر میں ہے خوش نما
اور میں ہوں اپنے خبث نفس سے مگر خجل
طاؤس کو سمجھتی ہے خلقت بہت حسین
حالانکہ اپنے پاؤں سے نادم ہے اس کا دل

حضرت سعدیؒ فرماتے ہیں کہ دنیا ظاہر کو دیکھتی ہے باطن کو نہیں دیکھتی، انسان اپنا احتساب آپ کرے پھر بھی اللہ کا فضل شامل حال ہو تو تب بات بنتی ہے۔

نعت رسول مقبول

جسٹس محمد الیاس

تو صاحب لولاک ہے، تو نور مبیں ہے
نبیوں کا تو سرور ہے، تو مولا کے قریب ہے
رفعت جو ملی تجھ کو وہ پائی نہ کسی نے
اے شاہ! ترے زیر قدم عرش بریں ہے
جس سے کہ چمک اٹھیں حرا کے درو دیوار
وہ تیری ہی تابندہ درخشندہ جبیں ہے
یہ تیرا ہی فیضان ہے اے پیکر رحمت
جو کل تھا غلام آج وہی تخت نشیں ہے
چومیں جسے دن رات فرشتے بھی ادب سے
یہ تیرا ہی روضہ کہ جو اتنا حسیں ہے
تو اس کا مدد گار ہے، تو اس کا ہے غمخوار
جو بے کس و بے یار ہے چاہے وہ کہیں ہے
الیاس پہ ہو چشم کرم سرور کونین
تنہا ہے وہ بیچارہ کوئی اس کا نہیں ہے

نور ایمان

اہل مغرب اور اسلام

عبدالقیوم ہاشمی

اس وقت عالم اسلام اور دیگر اقوام اس مغالطے میں مبتلا ہین کہ اہل مغرب عملی طور پر اسلام پر ہی عمل پیرا ہیں اس غلط فہمی کی اصل وجہ یہ ہے کہ وہ ان کے معاشرے میں کچھ ایسی خوبیاں دیکھتے ہیں جو درحقیقت اسلام سے حاصل کی گئیں ہیں اگرچہ واقعتاً" یہ خوبیاں اسلام ہی سے ان لوگوں تک پہنچی ہیں مگر یہ تمام خوبیاں اسلام ہی سے ان لوگوں تک پہنچتی ہیں مگر یہ تمام خوبیاں دراصل شر کی طاقت بڑھانے میں ہی مصروف ہیں۔ کیونکہ قوتوں کے استعمال کا دارومدار ایمان اور عقیدہ پر ہوتا ہے۔

یہ بات جان لینی چاہیے کہ دنیا میں جتنی بھی غیر مسلم اقوام ہیں یا تھیں وہ بل کلیہ شر پر عمل پیرا نہ تھیں ان میں کچھ نہ کچھ ایسی خوبیاں ضرور پائی جاتی تھیں جو ان کے معاشروں کو وقتی طور پر چلنے کے قابل بناتی تھیں جیسے قبل اسلام عربوں میں بہت سی ایسی خوبیاں اور بھلائیاں موجود تھیں۔ مثلاً" بہادری ' جرات ' خودداری ' مقصد کی خاطر جان قربان کرنا' مہمان نوازی وغیرہ وغیرہ۔ چونکہ ان تمام خوبیوں کا رشتہ اللہ کی ہدایت سے قائم نہیں تھا اس لئے یہ خوبیاں سیدھے راستہ سے منحرف ہوگئیں بلکہ الٹا شر میں اضافہ کا باعث بننے لگیں فرق صرف یہ تھا کہ یہ تمام خوبیاں حق و باطل کی تمیز کے بغیر صرف ہوتی تھیں بہادری اور جرات کے کارنامے اس لئے سرانجام دیئے جاتے تھے تاکہ لوگوں میں ان کی شہرت بڑھے۔

اگر مختلف اقوام کے اخلاق پر نظر دوڑائی جائے تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ان سب کے اخلاق کا سرچشمہ اللہ کا دین ہی تھا گذشتہ ادوار میں ہر قوم کی طرف اللہ نے پیغمبر بھیجے جنھوں نے ان کے عقیدے اور اعمال کی اصلاح کی کیونکہ انسانیت کچھ عرصہ حق پر رہنے کے بعد آہستہ آہستہ اپنے عقیدے سے منحرف ہو جاتی ہے لہٰذا اس انحراف کی

صورت میں اخلاق میں بھی بگاڑ پیدا ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ گو کہ اخلاقی انحطاط بہت سست روی سے تباہی کی طرف بڑھتا ہے حتیٰ کہ بعض اوقات کئی کئی نسلیں بیت جانے کے باوجود اخلاق میں بہت تھوڑا سا تنزل واقع ہوتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ انسانی عادات و اقدار انسانی ذہن میں عرصہ تک ثبت رہتی ہیں۔ اس لئے اخلاق میں انحراف عقیدہ کے انحراف سے بہت بعد میں پیدا ہوتا ہے اب دیکھنا چاہیے کہ مغرب میں جو خوبیاں یعنی دیانت و شرافت، سچائی، خلوص، مستقل مزاجی، امانت اور پاکیزگی کہاں سے ظہور پذیر ہوئیں ان خوبیوں کے مصادر دو ہیں پہلا عیسائیت اور دوسرا اسلام۔

عیسائیت اہل مغرب نے جو اخلاق لیا وہ زیادہ تر منفی انداز رکھتا تھا اور واقعات و حقائق سے اس کا تعلق نہیں تھا حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرمایا کرتے تھے جو تمہارے دائے رخسار پر تھپڑ مارے بایاں بھی اس کے سامنے کر دو اگرچہ آپ علیہ السلام کا مقصد اس نصیحت سے لوگوں کو باطن کی صفائی، برداشت کی قوت اور انسانوں سے محبت کا درس دینا تھا لوگوں کے دلوں میں بزدلی اور ذلت بٹھانا ہرگز مقصود نہ تھا۔ لیکن قرون وسطی کے مسیحی اخلاق پر منفی پہلو غالب رہا جس کی اصل وجہ رومی بادشاہت اور اس کا جبر و استبداد تھا اس کے بعد صلیبی جنگوں میں یورپ کو اسلامی دنیا سے واسطہ پڑا اور عیسائی اسلامی شہروں میں آئے اس طرح عیسائیوں کو مسلمانوں کو بہت قریب سے دیکھنے کا موقع ملا اور انہوں نے مسلمانوں سے اخلاق سیکھنے کے ساتھ ساتھ زندگی کا مثبت نظریہ بھی لیا عیسائیوں نے مسلمانوں کے یہاں دیکھا کہ ایک موذن کی اذان پر تمام مسلمان کھلی دکانیں چھوڑ کر مسجدوں کو دوڑ پڑتے ہیں اور چوری چکاری کی کوئی واردات نہیں ہوتی کیونکہ اسلام نے لوگوں کو ایماندار بنا دیا تھا مسلمان ایک منظم اور مربوط قوم تھی اور نازک موقع پر کم از کم ایک قوم ہونے کا شعور ضرور بہ ضرور بیدار ہو جاتا للذا آپس میں تعاون کرتے، محبت کرتے، رحم کرتے، قربانیاں دیتے اس طرح کی خوبیوں نے عیسائیوں کو متاثر کیا انہی خوبیوں کو انہوں نے اپنی ریاستوں میں جاری کیا عیسائیوں نے ان خوبیوں کو اپنی قوم کے لیے مفید سمجھا اس لئے ان کو

اپنی قوم تک ہی محدود رکھا جب بھی غیر اقوام سے رابطہ پڑتا تو مغربی ممالک کا خارجی رویہ بالکل مختلف پایا جاتا۔ یہی وجہ ہے کہ اکثر مغربی ممالک کی خارجہ پالیسی اپنی قوم کے مفادات سے وابستہ رہی ہے۔ دیگر اقوام کا استحصال، وعدہ شکنی، بد دیانتی، دھوکہ دھی، اجارہ داری جیسے ہتھکنڈوں سے کیا قدیم یونانی فلسفہ نے مغربی اخلاق کی بچی کھچی پونجی کو بھی ختم کر دیا اسی فلسفہ کے تحت مغربی سیاست نے یہ رخ اپنا لیا کہ حصول مقصد کی خاطر خواہ کتنے ہی برے اور خلاف اخلاق طریقے کیوں نہ اختیار کئے جائیں ان میں کوئی حرج نہیں۔ حکمرانوں امرا اور مذہبی رہنماؤں نے اپنی طاقت برقرار اور بڑھانے کے لیے بدترین سے بدترین وسائل اختیار کئے یہاں تک کہ ایک امریکی سرمایہ دار نے اپنے نفع کی خاطر امریکی صدر کینڈی کو قتل کر دیا سود عیسائیت اور یہودیت دونوں مذاہب میں حرام تھا مگر سرمایہ داری کی بنیاد اسی پر رکھی گئی جس سے مزدوروں پر ظلم کئے گئے جب مزدوروں نے اجرتوں میں اضافہ کا مطالبہ کیا تو ان کے مقابل عورتوں کو لایا گیا پھر عورتوں کو مردوں کی خواہشات کے بھینٹ چڑھایا گیا اس طرح عقیدہ سے انحراف کے بعد اخلاق میں بگاڑ بڑھتا ہی گیا یعنی پہلے ریاست میں بگاڑ آیا پھر اقتصادیات میں اور پھر جنس میں گویا انسانی معیار اخلاق انسانیت کے معیار سے گر کر قومیت پر پھر قومیت سے گر کر ذاتی منفعت اور جنسیت تک پہنچ گیا اور یوں مغربی معاشروں میں سیاسی معاشی اور جنسی بگاڑ پیدا ہو گیا۔ اسی بگاڑ کی وجہ سے مغربی معاشرہ انسانیت کا سب سے بڑا دشمن بنا ہوا ہے بقول علامہ اقبال

ابھی تک آدمی صید زبون شہر یاری ہے
قیامت ہے کہ انسان نوع انسان کا شکاری ہے

یہی وجہ ہے کہ اسلام انسانیت کی بقا اور حقیقی فلاح کی خاطر سب سے پہلے اللہ تعالیٰ اور آخرت کی زندگی پر ایمان لانے کی تلقین کرتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کے آخری رسول ﷺ نے مکی دور کے تیرہ سال لوگوں کے عقیدہ کی درستگی پہ صرف فرمائے۔ عقیدہ صرف خدا اور بندے کے تعلق کو ہی ظاہر نہیں کرتا بلکہ انسان کی تخلیق کا مقصد اور

دنیوی زندگی کی غرض و غایت بھی متعین کرتا ہے عقیدہ درست ہو گا تو اعمال بھی درست ہونگے۔

اسلام فرد اور جماعت کا ایک متوازن اور معتدل نظام پیش کرتا ہے جب کہ دیگر مذاہب اور نظریات اس کے برعکس دونوں میں توازن کا خیال نہیں رکھتے اور یوں انسانی فطرت کے بالکل الٹ پورے نظام کی تشکیل کرتے ہیں جس کا نتیجہ بالاخر تباہی اور بربادی ہوتا ہے حقیقت یہ ہے کہ " اللہ تعالیٰ کسی قوم کا حال نہیں بدلتا جب تک وہ خود اپنے اوصاف کو نہیں بدل دیتی" القرآن

اس بحث سے یہ واضح ہو گیا کہ مغربی اخلاق کا مجموعی اور خارجی چہرہ انتہائی سیاہ اور بدنما ہے جس طرح عربوں کی قبل اسلام خوبیاں محض ذاتی شہرت اور انا کی خاطر تھیں بعینہ یورپ کے لوگوں کے اندر جو دیانت ' سچائی ' راست بازی وعدہ ایفائی جیسی خوبیاں موجود ہیں وہ بھی محض ذاتی شہرت اور لالچ کی وجہ سے رائج ہیں کیونکہ ان خوبیوں کا تعلق و رشتہ اللہ کی ذات سے وابستہ نہیں بلکہ متاع دنیا کے سود و زیاں سے ہے اس لئے جونہی اس معاشرہ کے لوگوں کے ذاتی مفادات کی تکمیل ان خوبیوں کے بغیر ممکن ہونا شروع ہو جاتی ہے وہ ان کو ترک کرنے میں کوئی آر محسوس نہیں کرتے مغربی اقوام قومی سطح پر اللہ کی بجائے وطن کے بت کی اور انفرادی طور پر ہوا و ہوس اور نفس کی پرستش میں پھنس گئی ہیں ۔ یہ لوگ نعرے تو مساوات کے بلند کرتے ہیں لیکن ان کا سارا علم و فن دوسری اقوام کا خون چوسنے مین صرف ہو رہا ہے۔ اسلام اس کے برعکس انسانیت سے محبت اور خدمت کی تعلیم دیتا ہے اور پوری اولاد آدم کو اللہ کا کنبہ قرار دے کر ہر انسان بلکہ ہر جاندار کی بنیادی ضروریات پورا کرنے کو ریاست کی ذمہ داری قرار دیتا ہے مغرب کا حال تو بقول شاعر یہ ہے

دانش و دین و علم و فن بندگی ہوس تمام
عشق گرہ کشائے کا فیض نہیں ہے عام ابھی

سلام و پیام

(1) ☆☆ مجالس شیخ سلسلہ مرکز تعمیر ملت گوجرانوالہ میں ہر ماہ کی پہلی اتوار کو دن کے وقت (صبح 10 بجے تا سہ پہر 4 بجے) مجلس منعقد ہوتی ہے جس میں برادران سلسلہ کے علاوہ طالبان حق بھی کثیر تعداد میں شامل ہو کر فیض حاصل کرتے ہیں۔ گذشتہ ماہ یہ مجلس یکم فروری کو ہوئی اور شیخ سلسلہ قبلہ محمد صدیق ڈار صاحب نے اپنے مواعظ حسنہ سے حاضرین کو مستفیض فرمایا۔

O2 ☆☆ سانحہ ارتحال گذشتہ ماہ حلقہ سوہاوہ ساہیاں کے بھائی نمبردار محمد الطاف صاحب کے والد محترم انتقال کر گئے۔ ماہ فروری میں سرگودھا کے بھائی اشتیاق احمد کشتہ صاحب کی اہلیہ انتقال فرما گئیں۔ تمام برادران سلسلہ توحیدیہ سے التماس ہے کہ مرحومین کی مغفرت کے لئے دعا فرمائیں

3 ☆☆ پیام شیخ سلسلہ بانی سلسلہ عالیہ توحیدیہ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاری " اپنی مجالس میں جو وعظ و نصیحت فرمایا کرتے تھے وہ جواہر پارے سالکین راہ حق کے لئے بیش بہا دولت کی حیثیت رکھتے ہیں۔ جن برادران کو وہ مبارک محفلیں نصیب ہوئیں ان سے میری التماس ہے کہ وہ ان ملفوظات کو ماہوار مجلّہ میں اشاعت کے لئے ارسال فرمانا شروع کر دیں۔ اس امانت کو اگلی نسل تک پہنچانے کے لئے یہ ضروری ہے کہ اس قیمتی مواد کو کتابی صورت دے دی جائے۔ آپ سب بھائی تعاون فرمائیں تو ہم انشاء اللہ بانی سلسلہ" کے "مکتوبات اور ملفوظات" کو اکٹھا کر کے شائع کر دیں گے۔ وباللہ التوفیق

4 ☆☆ اہم اطلاع:۔ برادران سلسلہ عالیہ توحیدیہ خصوصی طور پر نوٹ فرما لیں کہ اس سال سلسلہ عالیہ توحیدیہ کا سالانہ اجتماع انشاء اللہ 24، 25، 26 اپریل یعنی جمعہ، ہفتہ، اتوار مرکز تعمیر ملت، راہوالی (گوجرانوالہ) میں منعقد ہو گا۔ تمام برادران کو دعوت نامے مناسب وقت پہ ارسال کر دئے جائیں گے۔ جو قارئین سالانہ اجتماع میں شمولیت کے خواہشمند ہوں وہ اپنے ایڈریس ہمیں روانہ کر دیں تاکہ انہیں بھی دعوت نامے بروقت ارسال کئے جا سکیں۔

بانی سلسلہ کی تصانیف

"حقیقت وحدت الوجود" یہ کتاب وحدت الوجود کے موضوع پر ایک مختصر مگر نہایت مدلل اور اہم دستاویز ہے خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ نے دوران سلوک جو دیکھا اس حقیقت کو عام فہم دلائل کی روشنی میں نہایت ہی آسان زبان میں بیان کر دیا ہے تاکہ متلاشیان حق غلط راہوں میں پڑ کر گمراہ نہ ہو جائیں اس میں جو موضوعات زیر باعث آئے ہیں ان میں سے خاص خاص یہ ہیں

☆ انسان کی بقا اور ترقی کے لئے مذہب کیوں ناگزیر ہے

☆ روحانی عوالم اور روح کے سفر کا حال عالم ھو کی خصوصی تشریح

☆ سلوک کے دوران کون سے مقام پر وحدت الوجود کی کیفیت محسوس ومدرک ہوتی ہے

☆ وہ بنیادی سوال جس نے نظریہ وحدت الوجود کو جنم دیا۔

☆ اس اہم سوال کا جواب ہندو مفکرین، مادہ پرست دانشوروں اور فلاسفروں نے کیا دیا ہے

☆ حضرت ابن عربیؒ کے نظریہ وحدت الوجود اور حضرت مجدد الف ثانیؒ کے وحدت شہود میں فرق

☆ روحانی سلوک کے دوران تمام بزرگان عظام کو ہو جانے والی غلط فہمیاں

☆ حضرت حسین ابن منصور حلاجؒ کے دعوی انا الحق کی توجیہہ

☆ وحدت الوجود کی قائل جماعت کے نظریات اور قرآنی احکامات کیا ہیں

ان تمام امور پر محققانہ بحث و تنقید کے بعد حقیقت طشت از بام کر دی گئی ہے۔ اس موضوع سے دلچسپی رکھنے والوں اور الجھنوں میں گرفتار طالبان حقیقت کے لئے یہ کتاب ایک نعمت سے کم نہیں۔